قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۳ شمارہ: ۱۱، ۱۲

ذوالقعدہ، ذوالحجہ: ۱۴۴۱ھ - جولائی، اگست: ۲۰۲۰ء

قیمت شمارہ ہذا: ۸۰ روپے ، زرِسالانہ: ۵۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمّد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ : 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: + 92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

اراکینِ اسمبلی کا مستحسن اقدام!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
اسلام آباد میں مندر کی تعمیر اور مسجد کی تخریب	۸	

مقالات وفضامین

اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکتِ پاکستان اور اسلامی شعائر	۱۰	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۴	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
کھانا کھانے کے بعد کی دو دعائیں اور متعلقہ مباحث	۱۸	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
شریعتِ اسلامیہ میں نماز کی قضاء کا حکم	۳۱	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
طلبِ عافیت! سب سے بہتر اور جامع دعا	۳۷	مفتی غلام مصطفیٰ رفیق
عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مفہوم	۴۷	محمد جنادہ نعمانی
معاشرے کی اصلاح وبگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات (قسط:۴)	۵۵	مولانا محمد طفیل کوہاٹی

یادِ رفتگاں

شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۹	مفتی عبدالرؤف غزنوی
مسافرانِ آخرت کا تذکرہ!	۸۱	محمد اعجاز مصطفیٰ

دارالافتاء

قربانی واجب ہونے کی شرائط اور مالی حیثیت	۸۷	ادارہ
پلازما عطیہ کرنے کا حکم	۸۹	ادارہ

نقد ونظر

	۹۱	ادارہ

اراکینِ اسمبلی کا مستحسن اقدام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ دنیا اسلام وکفر، خیر وشر اور راحت وتکلیف کا مسکن اور مجموعہ ہے۔ جہاں اس دنیا میں کفر کے پجاری اور کفر کے ہمنوائی رہتے ہیں، وہاں اسلام کے غیور سپوت اور اسلام کے شیدائی بھی رہتے ہیں۔ الحمد للہ! پاکستان بھر کی اسمبلیوں میں چاہے وہ صوبائی ہوں یا قومی اور سینیٹ' آج بھی اُن میں اچھے لوگ موجود ہیں اور وہ صحابہ کرامؓ، ازواجِ مطہراتؓ، اہلِ بیت عظام، اسلام، قرآن اور پیغمبرِ اسلام حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ سے عشق ووفا، محبت وعقیدت اور اُن کی عزت وناموس کی حفاظت اپنے لیے اعزاز اور ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

حضور خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرنے والوں میں سے ایک خوش نصیب، قابلِ فخر اور لائقِ تقلید جناب محمد حسین صاحب بھی ہیں جو نیک دل مسلمان ہیں، آپ کا تعلق متحدہ قومی موومنٹ پاکستان سے ہے اور آپ سندھ اسمبلی کے معزز رکن ہیں۔ آپ نے ۱۵ جون ۲۰۲۰ء کو سندھ اسمبلی میں پیغمبرِ آخر الزمان ﷺ کے بارہ میں قرارداد پیش کرنے کی سعادت حاصل کی اور اس کو پوری سندھ اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ قرارداد کا متن تاریخ میں محفوظ کرنے کی غرض سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''اس ایوان کی رائے یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حرمت وناموس پر ہم سب مسلمان قربان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ میں اس معزز ایوان میں درج ذیل قرارداد پیش کرتا ہوں کہ بطور

مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہمارے پیارے آقا ﷺ، خاتم النبیین، امام المرسلین، امام الانبیاء، رحمۃٌ للعالمین، نبی اکرم حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد اب کوئی بھی نبی، رسول یا پیغمبر کسی بھی صورت میں دنیا میں نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کے دروازے بند کردیئے ہیں، لہٰذا صوبہ سندھ میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جب بھی حضرت محمد ﷺ کا پاک اور مقدس نام مبارک آئے تو اس کے ساتھ ''خاتم النبیین'' ضروری طور پر لکھا اور پڑھا جائے۔ یہ ایوان مطالبہ کرتا ہے کہ ابلاغ کے تمام ذرائع جیسا کہ کتابوں، اخباروں، جرائد، رسائل، درسی کتابوں، ٹیلی ویژن، ریڈیو، تمام سرکاری خط وکتابت، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر جب بھی آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام مبارک آئے تو اس کے ساتھ ''خاتم النبیین'' ضروری طور پر لکھا اور پڑھا جائے۔''

(روزنامہ جنگ، کراچی، ۱۶ جون ۲۰۲۰ء)

اس سے پہلے پنجاب اسمبلی میں بھی گستاخانہ مواد پر پابندی کی قرارداد منظور کی گئی (جس کی تفصیل گزشتہ ماہ بینات کے اداریہ میں آچکی ہے)۔ اس قرارداد کا ایک ایک لفظ ایمان افروز، فکر انگیز اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس قرارداد لانے پر تمام مذہبی جماعتوں نے سندھ اسمبلی کے تمام معزز ارکان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو مبارک باد دی کہ ان شاء اللہ! یہ قرارداد پیش کار، تائید کنندگان، اور اس کے حق میں ووٹ دینے والوں کے لیے آخرت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ بنے گی۔

علمائے کرام نے اس پر زور دیا کہ اس قرارداد کو باقاعدہ قانونی شکل دی جائے اور اسے صرف سندھ ہی نہیں، بلکہ ملک بھر میں قانون بنا کر نافذ کیا جائے، اس لیے کہ یہ قرارداد صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ تمام اسلامی ممالک اور بیرونی دنیا میں ان شاء اللہ! عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا ذریعہ بنے گی اور اس کے ذریعہ بہت سے فتنوں کی روک تھام ہوسکے گی۔

اُدھر قومی اسمبلی میں بھی یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی کہ: ''تمام درسی کتابوں اور تعلیمی اداروں میں جہاں جہاں حضرت محمد ﷺ کا نام مبارک آتا ہے، اس کے ساتھ ''خاتم النبیین'' لکھنا لازمی ہوگا۔ یہ قرارداد مسلم لیگ نون کے رکن قومی اسمبلی جناب نورالحسن تنویر صاحب کی تجویز پر وزیرِ مملکت برائے پارلیمانی اُمور علی محمد خان نے اتفاقِ رائے سے پیش کی، جس کی تمام پارلیمانی جماعتوں نے حمایت کی۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جناب امجد علی خان صاحب نے کہا کہ آخری خطبہ میں نبی کریم ﷺ نے واضح کردیا تھا کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور وہ آخری نبی ہیں۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی کے رکن قومی اسمبلی جناب عبدالقادر پٹیل صاحب نے کہا کہ: بھٹو دور میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''خاتم النبیین'' کو نہ ماننے والے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چکا ہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم

قرار دینے کا عظیم فیصلہ شہید ذوالفقار بھٹو نے کیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا کہ: ''قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر اپنی موت پر دستخط کر رہے ہیں۔'' کرنل رفیع نے ذوالفقار علی بھٹو کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ''قادیانی کہتے ہیں کہ میں جیل میں ہوں تو اُن کی وجہ سے ہوں۔'' ذوالفقار علی بھٹو نے کہا: ''میں گناہ گار آدمی ہوں، مگر امید ہے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کی وجہ سے بخشا جاؤں گا۔''

اور پھر ۲۴ جون ۲۰۲۰ء کو سینیٹ میں بھی یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی، جس کو جماعتِ اسلامی کے سینیٹر جناب مشتاق احمد صاحب نے پیش کیا۔ قومی اسمبلی کے اسپیکر جناب اسد قیصر صاحب نے حضور اکرم ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ ''خاتم النبیین'' لازمی لکھنے کے حوالے سے عمل درآمد کے لیے وفاق اور صوبوں کو خط لکھنے کا بھی اعلان کیا۔ اسی طرح سینیٹ کے چیئرمین نے یہ قرارداد چاروں صوبوں کے اسپیکرز اور وزرائے اعلیٰ کو بھجوانے کی ہدایت کر دی۔

۲۶ جون ۲۰۲۰ء کو پنجاب اسمبلی میں یہ قرارداد حکومتی رکن نیلم اشرف نے پیش کی اور ۲۹ جون ۲۰۲۰ء کو آزاد کشمیر اسمبلی نے بھی متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کتابیں ہوں یا اخبارات، جرائد و رسائل ہوں یا درسی کتب، ریڈیو یا ٹیلی ویژن پروگرام ہوں یا سرکاری و غیر سرکاری خط و کتابت، انٹرنیٹ ہو یا سوشل میڈیا، سرکاری ہو یا پرائیویٹ ہر سطح پر اس کا اہتمام کیا جائے اور اس کو رواج دیا جائے کہ جب نبی اکرم ﷺ کا اسمِ مبارک اور نامِ نامی لیا جائے، لکھا جائے یا بولا جائے تو ''حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی لکھا اور بولا جائے، تو ان شاء اللہ! ہماری نئی نسل کو تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت کی طرف اچھا درس، سبق اور راہنمائی ملے گی۔ نیز آئینِ پاکستان کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، اسلامی ریاست ہونے کا اولین تقاضا ہے کہ اسلامی معتقدات کا ہر اعتبار سے مکمل تحفظ ہو۔ تحفظِ ختمِ نبوت کا عقیدہ، اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس کا تحفظ بہت ضروری ہے، اس لیے کہ اس عقیدہ کو دستور میں شامل کرنے کے لیے مسلمانانِ پاکستان نے طویل جدوجہد کی، صبر آزما تکلیفیں و آزمائشیں برداشت کیں اور اس کے لیے عظیم قربانیاں پیش کی ہیں، اس لیے آج کے اراکینِ اسمبلی کی یہ قرارداد اسی تسلسل کی عظیم کڑی ہے۔

تمام اراکین خواہ صوبائی اسمبلی کے ہوں یا قومی اسمبلی اور سینیٹ کے، ادارہ بینات سب کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب حضرات سے اسلام، قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کی حفاظت اور وطن کی محبت، سلامتی اور استحکام کے لیے کام لیتے رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب حضرات کو دنیا میں بھی اس کا صلہ عطا فرمائے اور آخرت میں بھی حضور اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

الحمد للہ! آج پاکستان بھر کی اسمبلیوں میں حضور اکرم ''خاتم النبیین'' ﷺ کے حق میں قراردادیں منظور ہورہی ہیں، یہ ہمارے اکابر کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کسی قادیانی کو کافر کہنے پر ایف آئی آر کٹ جاتی تھی، مقدمات بنتے تھے، جیل میں جانا پڑتا تھا، اس لیے حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہٗ کے بارہ میں مشہور ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ہماری آدھی زندگی ریل میں اور آدھی زندگی جیل میں گزر گئی۔

۱۹۵۲ء میں قادیانیوں کے اس وقت کے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود نے کہا تھا کہ ۱۹۵۲ء نہ گزرنے پائے کہ صوبہ بلوچستان کو قادیانی اسٹیٹ بنالیا جائے۔ غالباً فیصل آباد میں ۱۹۵۲ء کے آخری دنوں میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہٗ نے جلسہ کیا اور اس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مرزا بشیرالدین محمود! ۱۹۵۲ء کا سال تیرا تھا اور ۱۹۵۳ء میرا ہے۔ اور پھر ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت چلی، جس کے مطالبات یہ تھے کہ: ظفر اللہ قادیانی کو وزارتِ خارجہ سے علیحدہ کیا جائے، قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے ان جائز مطالبات کو تسلیم کیا جاتا، اُلٹا اس تحریک میں لاہور کے مال روڈ پر محتاط اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار مسلمانوں کو حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کے منصبِ ختم نبوت کے تحفظ کی پاداش میں شہید کیا گیا، اس پر کسی نے حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ شاہ صاحب! آپ نے تحریکِ ختمِ نبوت میں دس ہزار مسلمان شہید کرادیئے، ان کے خون کا جواب کون دے گا؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ اس تحریک سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ملا؟ پہلے سوال کے جواب میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت میں حضور اکرم ﷺ کے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں بارہ سو صحابہؓ اور تابعینؒ شہید ہوئے تھے تو جو جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان بارہ سو صحابہؓ اور تابعینؒ کے خون کا دیں گے، عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ان دس ہزار مسلمانوں کے خون کا وہی جواب دے دے گا اور دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا: میں نے اس تحریک کے ذریعۂ خاتم النبیین ﷺ کا کلمہ پڑھنے اور حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں ایک ایسا ایٹم بم فٹ کردیا ہے کہ وہ جب بھی پھٹے گا تو ان شاء اللہ! قادیانیت کے کفر کو آشکارا کردے گا اور اس فتنہ کو بھسم کردے گا۔ الحمد للہ! آپ کی یہ پیش گوئی ۱۹۷۴ء میں پوری ہوئی، جس کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۷۴ء میں جب قادیانیوں کی اپنی شرارت کی وجہ سے محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کی امارت اور قیادت میں پورے ملک میں تحریک چلی تو بالآخر قومی اسمبلی میں حضرت مفتی محمود قدس سرہٗ اور ان کے رفقاء کی محنتوں، کوششوں سے

اس وقت کے وزیراعظم مرحوم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دستخطوں سے پوری قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کے بعد مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری کیا، جس میں کہا گیا کہ: قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی شخص کو ''امیر المؤمنین''، ''خلیفۃ المؤمنین''، ''خلیفۃ المسلمین''، ''صحابی'' یا ''رضی اللہ عنہ'' کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجۂ مطہرہ کے علاوہ کسی ذات کو ''ام المؤمنین'' کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔ یا اپنی عبادت گاہ کو ''مسجد'' کے طور پر منسوب کرے یا موسوم کرے یا پکارے۔ تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

اسی طرح قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب میں عبادت کے لیے بلانے کے طریقے یا صورت کو ''اذان'' کے طور پر منسوب کرے یا اس طرح اذان دے جس طرح مسلمان دیتے ہیں تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کا مستوجب بھی ہوگا۔

اسی طرح قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی شخص جو بلاواسطہ یا بالواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر موسوم کرے یا منسوب کرے یا الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے، تو اس کو کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی ہے، اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

اس آرڈی نینس کے نفاذ کے بعد سے آج تک ہر سطح پر پارلیمنٹ ہو یا نچلی عدالت سے لے کر سپریم کورٹ اور افریقہ کی عدالتوں تک ہر محاذ پر قادیانیت ذلت، اِدبار اور شکستگی کا شکار ہے۔

تحفظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے ۱۹۹۲ء کو قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر توہینِ رسالت کے مرتکب کی سزا متعین کی۔ یہ ہمارے آئین ساز اداروں اور اُن کے نیک دل ارکان نے مذہبی ذمہ داریاں پوری کی ہیں، یہ اعجاز ہے ختمِ نبوت کا۔

ہم قادیانیوں کی نئی نسل سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ دنیا کی چمک دمک، ریل پیل اور ذاتی مفادات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے خالی الذہن ہوکر اور تعصب کی عینک اتار کر قادیانیت کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ! آپ کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونا صاف معلوم ہوجائے گا۔

ایک لمحہ کے لیے آپ یکسو ہوکر سوچیں اور غور وفکر کریں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پوری ملتِ اسلامیہ قادیانیوں کو اسلام کا باغی اور اسلام سے خارج قرار دیتی ہے۔ آخر کیوں؟ اور پھر آپ قادیانیت کا مطالعہ کریں، مرزا غلام قادیانی کا کردار پڑھیں، تو ان شاء اللہ! آپ خود فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ قادیانیت کوئی مذہب نہیں، بلکہ مذہب کے نام پر ایک ڈھونگ ہے، جس کے سحر میں تمام قادیانیوں کو انہوں نے جکڑا ہوا ہے اور پھر آپ قادیانیت سے تائب ہوکر حضور خاتم النبیین ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوجائیں تو مسلمان آپ کو اپنے سروں پر بٹھائیں گے، جس سے ان شاء اللہ! دنیا میں بھی آپ کو عزت ملے گی اور آخرت میں حضور اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قادیانیوں کو صحیح سوچنے، سمجھنے اور دینِ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جن کے مقدر میں خیر اور ہدایتِ اسلام نہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے شر سے اُمتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے اور ہمارے پیارے ملک پاکستان کو ان کے ناپاک عزائم، سازشوں اور مکاریوں سے محفوظ فرمائے، آمین

.....

اسلام آباد میں مندر کی تعمیر اور مسجد کی تخریب

ایک بار ایک سیاسی جماعت کے سربراہ نے کہا تھا کہ بیوروکریسی وقفے وقفے سے سانس لیتی ہے اور بعض اوقات کوئی ایسا پرانا ایشو اپنی فائلوں سے نکال کر لاتی ہے، جس سے پورا پاکستان اضطراب میں مبتلا ہوجاتا ہے، کچھ ایسا ہی آج کل اسلام آباد میں مندر بنانے کے بارہ میں ہوا ہے۔ یہ بات تو حقیقت ہے کہ موجودہ وفاقی حکومت اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں سوچنے اور ان کی فلاح میں پالیسیاں بنانے سے زیادہ غیر مسلموں کے بارہ میں عملی کام کرنے کے بارہ میں زیادہ رغبت رکھتی ہے، چاہے وہ سکھوں کے لیے کرتار پورہ بارڈر کھولنے کا فیصلہ ہو یا ہندوؤں کے لیے مندر بنانے کی پالیسی یا قادیانیوں کو ہر سطح پر نوازنے کا معاملہ۔ اور شاید یہ حکومت سمجھتی ہے کہ مغربی دنیا اس طرح کے اقدامات سے ہمیں زیادہ قابل قبول گردانے گی، لیکن یہ اُن کی بھول ہے، اس لیے کہ مغرب ہمیشہ اپنے مفادات کے تابع رہتا ہے، اسے کسی جماعت، یا شخصیت سے کوئی زیادہ دل چسپی نہیں ہوتی، لیکن اس سے قطع نظر آج کل اسلام آباد میں مندر بنانے کی مہم زوروں پر ہے، بعض اس کے حق میں ہیں اور بعض اس کی مخالفت کررہے ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام غیر مسلموں کے حقوق کا ضامن ہے، لیکن اس کے کچھ حدود اور قیود ہیں۔

اسلام آباد میں مندر بنانے کی سوچ اور اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اخبارات کی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۷ فروری ۲۰۱۶ء میں متحدہ قومی موومنٹ پاکستان کی سینیٹر نسرین جلیل جب سینیٹ کی

انسانی حقوق کی کمیٹی کی سربراہ تھیں، انہوں نے یہ حکم جاری کیا کہ اسلام آباد میں موجود آٹھ سو ہندوؤں کے لیے شمشان گھاٹ اور مندر کی جگہ مختص کی جائے۔ اس کے لیے ہندوؤں نے نواز شریف دور میں چار ہزار گز کا پلاٹ حاصل کرلیا، حالانکہ اسلام آباد میں پہلے سے کئی مندر موجود ہیں اور وہ سب ویران پڑے ہیں اور سب سے قریب ترین مندر سید پورہ اسلام آباد میں ہے۔

حکومتی حلقوں سے سب سے پہلے اس مندر بنانے کے خلاف مؤثر آواز اسپیکر پنجاب اسمبلی جناب پرویز الٰہی صاحب نے بلند کی اور کہا: پاکستان جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور اس کے دارالحکومت اسلام آباد میں بنانا نہ صرف یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے، بلکہ ریاستِ مدینہ کی توہین ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور خاتم النبیین ﷺ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ شریف میں موجود تین سو ساٹھ بتوں کو توڑا تھا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: ''حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا'' ہم اقلیتوں کے حقوق کے ساتھ ہیں، پہلے سے موجود جو مندر ہیں ان کی مرمت کی جانی چاہیے۔ یہ ان کا حق ہے، اس میں کوئی بھی رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے وہ شرعی وقانونی مجرم ہے۔

البتہ اسلام آباد ایسا شہر ہے جو زمانۂ قدیم سے مسلمانوں کی ملکیت چلا آرہا ہے اور اس کی بلدیاتی حیثیت بھی مسلمانوں نے قائم کی ہے، اس لیے اسلام آباد میں ہندو برادری کے لیے نیا مندر بنانا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ آئینِ پاکستان کی رو سے پاکستان میں شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی کا نظریہ بھی اس تعمیر کے مزاحم ہے، لہٰذا اسلام آباد میں حکومتی خرچے سے مندر بنانے کی بالکل گنجائش نہیں۔ بہرحال اچھا ہوا کہ عدالت نے اس معاملہ کو اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کیا، جو کہ ایک آئینی دارہ ہے، اس کا جو فیصلہ ہوگا وہ سب کو منظور ہوگا۔

دوسری جانب اسلام آباد میں ہی مسجدِ توحید کو جو کہ اہلِ حدیث مسلک کے زیرِ انتظام تھی، اس مسجد کو انتظامیہ نے بغیر کسی نوٹس کے گرادیا، جس پر اسلام آباد کے تمام مسالک کے علماء نے اس کے خلاف احتجاج کیا، گرفتاریاں دیں اور پھر پورے ملک میں احتجاج ہوا کہ یہ ''مسجد گراؤ اور مندر بناؤ'' والی حکومتی پالیسی ہے۔ اسلام آباد میں مندر بن رہا ہے اور مساجد گرائی جارہی ہیں۔ ادارہ بینات حکومت کے اس رویہ کی مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مسجد کو جتنا نقصان پہنچایا گیا ہے، نہ صرف یہ کہ اس نقصان کو پورا کیا جائے، بلکہ جو رقم دس کروڑ روپے مندر بنانے کے لیے منظور کی گئی ہے، وہ تمام رقم اس مسجد کی تعمیر پر خرچ کی جائے، تاکہ مسلمانوں کے قومی خزانے کی رقم صحیح مصرف میں خرچ ہوسکے،

إن أريد إلا الإصلاح ماستطعت ، وماتوفيقي إلا بالله ، عليه توكلت وإليه أنيب .

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اسلام کے نام پر حاصل کردہ مملکتِ پاکستان

پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اُس کی وجہ

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے نقشے میں پاکستان پہلا ملک ہے جو اسلام اور صرف اسلام کے نام سے وجود میں آیا، یعنی قیامِ پاکستان کے لیے جو سیاسی سطح پر جدوجہد ہوئی وہ صرف اسلام کے نام سے ہوئی۔ متحدہ ہندوستان میں جو تحریک چلائی گئی تمام مسلمانوں کو متحد کیا گیا اور سیاسی تنظیم جس انداز سے ہوئی وہ صرف اسلام کے نام پر ہوئی، عوام یہی سمجھے، خواص یہی سمجھے، علماء یہی سمجھے، جاہل یہی سمجھے، تجارت پیشہ حضرات یہی سمجھے اور مزدور کار یہی سمجھے، غرض قوم کے تمام افراد سے یہی کہا گیا اور اسی انداز سے اتحاد کی کوششیں ہوئیں اور عوام کو یہی باور کرایا گیا کہ پاکستان کے معنی ہیں: ''لا إلٰه إلا الله''۔

البتہ خواص الخواص یا اونچے قائدین یا برطانیہ کے اربابِ اقتدار کچھ اور سمجھے ہوں تو ہوسکتا ہے، بلکہ اس کا یقین ہوتا جارہا ہے کہ ان کی نیت کچھ اور تھی، اور بعد کے حالات سے کچھ اس کی تائید ہوتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود آج تک پاکستان میں ان حقائق کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا جن کا عوام کو یقین دلایا گیا تھا۔ کاش! عوام کو اپنی حالت پر چھوڑتے تو اسلام اتنا رُسوا نہ ہوتا۔ تاجر طبقہ نے کارخانے اور انڈسٹریاں چلاکر مالی و اقتصادی ملک کی حالت مضبوط کی اور علماء امت اور صالحین نے دینی ادارے، دینی مراکز، مساجد وغیرہ دینی نظام کی حفاظت کی۔ پاکستان ایک باوقار مملکت کی حیثیت سے دنیا کی سطح پر اُبھرا، لیکن افسوس کہ عرصۂ دراز تک آئینِ اسلامی سے محروم رہا، وہی برطانیہ کا متعفن نظام جاری رہا اور اب بھی ہے۔ کچھ عرصہ سے برائے نام آئینِ اسلامی وجود میں بھی آیا تو اس کے مطابق قانون سازی کا نظام اب تک شرمندۂ عمل نہ ہوسکا،

بلکہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے تدبیریں اختیار کی گئیں، جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

ما خانہ رمیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از دیارِ ما نیست

اسلام کا نام لے کر اسلام سے دشمنی

عقل حیران ہے کہ اس بدنصیب ملک کا کیا انجام ہوگا۔ قدرت کی طرف سے ایک شدید سزا مل گئی اور نصف پاکستان ختم کر دیا گیا، بقیہ نصف کا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو، لیکن اب تک نہ صرف یہ کہ ہوش نہیں آ رہا ہے، بلکہ غفلت و بے حسی انتہا تک پہنچ گئی۔ اسلام کے نام سے تمام اسلام کے ساتھ بدترین عداوت کا جو معاملہ ہو رہا ہے اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف اگر پنجاب اسمبلی میں قرآن وسنت کی روشنی میں اقتصادی نظام کی باتیں سنائی دے رہی ہیں تو دوسری طرف سوشلزم کے نعرے اتنے زور سے لگائے جا رہے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے کو آ گئے۔ تعجب ہے کہ پنجاب اسمبلی نظامِ زکاۃ رائج کر کے زکوٰۃ وصول کرنے کی قرارداد منظور کرا رہی ہے، گویا باقی سارا اسلامی نظام تو رائج ہو گیا، زکاۃ کے نظام کو درست کرنے کی تدبیر سوچی جا رہی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ نماز اسلام کی بنیاد اور بنیادی رکن ہے، اس کے لیے تو کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، اسلامی عقائد کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ سوچی جائے، روزہ کی حفاظت کی کوئی تدبیر نہ کی جائے اور ملک میں ماہِ رمضان المبارک میں تمام ہوٹل کھلے رہیں، کوئی احتساب نہیں، شراب وزنا کے لائسنس جاری کیے جاتے ہیں، عریانی وفحاشی کو ہر صورت میں ہوا دی جا رہی ہے، اس صورت حال میں صرف زکاۃ کے نظام سے کیا تمام اسلامی نظام قائم ہو جائے گا؟ ہمیں تو اندیشہ ہے کہ صالح طبقہ کے لوگ اپنے اموال کی زکاۃ سے معاشرے کے نادار افراد کی جو خدمت کرنا چاہتے ہیں اس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ زکاۃ کے مالی نظام پر قبضہ کر کے جو حضرات اپنے صدقات وزکوۃ سے اقارب اور فقراء ونادار حضرات کی ہمدردی کرتے ہیں اور کچھ دینی ادارے چلا رہے ہیں اس کو بھی گویا ختم کیا جا رہا ہے۔ عرصہ سے بارہا یہ کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی، خدارا اس قوم پر رحم کرو اور اگر تم سے اس کی صحیح دینی تربیت نہیں ہو سکتی تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ اربابِ خیر کے لیے ایک ہی دینی راستہ فقراء اور اصحابِ حاجات کی خدمت کرنے کے لیے تھا وہ بھی بند کرنا چاہتے ہو۔ سینکڑوں مسائل ملک میں موجود ہیں، شراب پر پابندی لگانے کے لیے کوئی قرارداد پیش نہ ہو سکی، زنا کے کھلے لائسنس دینے کے لیے کوئی قانون نہ بن سکا، نائٹ کلبوں میں جو بے حیائی وعریانی کے روح فرسا مناظر موجود ہیں ان کے لیے کوئی بل پارلیمنٹ میں

نہ آ سکا، ملک میں جو روز افزوں فحاشی و بے حیائی ہو رہی ہے اس کے لیے کوئی قرارداد منظور نہ ہو سکی، سینما اور ٹی وی پر جو کچھ دردناک روح فرسا گندگی اچھالی جا رہی ہے اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں کی جا رہی ہے، ملک میں رشوت ستانی نے قوم کو تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیا ہے اس کے لیے کوئی مؤثر غور و فکر نہ ہو سکا۔ خدا فراموش قوم کو باخدا بنانے کے لیے کوئی مؤثر قدم اُٹھانے کی توفیق تو نصیب نہیں ہوئی، اگر رہ گیا تو بس ایک زکاۃ کا مسئلہ؟!

اسلامی قانون بنانے کے لیے آج تک کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا، حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والے غیر اللہ کے قوانین پر آج تک محاکم میں فیصلے ہو رہے ہیں، اس کے لیے کوئی بل یا قرارداد پیش نہ کی گئی کہ اس لعنت کو اس ملک سے دور کیا جائے، اس کے لیے کیا کیا گیا؟! پاکستان اسلام کے لیے بنایا گیا تھا، تعلیماتی بورڈ سے لے کر مشاورتی کونسل تک اسلام کا کام بجز دغا کے کیا کیا گیا؟! مسلمانوں کا ایک کلمہ طیبہ اسلام کا متفقہ کلمہ رہ گیا تھا اس کو بھی ڈائنامیٹ لگانے کی کوشش جاری ہے۔ منیر رپورٹ (رُسوائے عالم رپورٹ) نے اسلام پر کیسے آرے چلا دیئے؟ کیا اسلام اسی کا نام رہ گیا ہے کہ سیرت کانگرس یا سیرت کانفرنس کر کے اپنے اسلام کا ثبوت دیا جائے؟ ادارہ تحقیقات قائم کر کے قوم کا لاکھوں روپیہ خرچ کر کے الحاد و زندیقیت کا بیج ڈالا جائے؟ اور اسلامی عقائد کو مسخ کر کے رکھ دیا جائے؟ کیا یہ اسلام کی خدمت ہوگی؟! الغرض قیامِ پاکستان کے طویل عرصہ میں وہ کون سی بے حیائی اور کون سا گناہ ہے جس کی پرورش نہ کی گئی ہو؟ اسلام کے چہرہ کو مسخ کر کے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے؟ ایک زکاۃ کا مسئلہ رہ گیا کہ اس کو حل کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسلام کی حفاظت کی غیبی تدبیر فرمائے، آمین۔

.....

پاکستان میں اسلامی شعائر کا احترام اور اس کی وجہ

اگر قریب سے تمام عالمِ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ الحمد للہ پاکستان میں اب بھی اسلامی شعائر کی تعظیم و احترام بقیہ ملکوں سے بہت زیادہ موجود ہے۔ پاکستانی عوام کے ذریعہ آج بہت کچھ دینی چہل پہل برقرار ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ تمام مسجدیں، دینی ادارے، مدرسے، مکتب اور ان میں حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمات جس قدر انجام پا رہی ہیں یہ سب پاکستان کے عام اربابِ خیر کی دینی حمیت اور کوششوں کا نتیجہ ہے، روئے زمین کے کسی ملک کے مسلمان بھی اس معاملہ میں پاکستانی اربابِ خیر کی ہم سری نہیں کر سکتے۔

برطانوی اقتدار کے دور میں ہمارے اکابر واسلاف نے جب یہ محسوس کیا کہ حکومت اور طاقت اب غیر اسلامی ہاتھوں میں جارہی ہے اور آئندہ حکومتوں سے کسی خیر اور دینی حمیت کی توقع نظر نہیں آتی، اب تو عام مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی رہنمائی کی غرض سے دینی خدمات جو بھی ہوں آزاد دینی معاہد و مدارس اور دارالافتاء یا مساجد و خانقاہوں کے ذریعہ انجام دینی ہوں گی اور خود مسلمانوں خصوصاً عوام کو ان کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ دینی شعائر کا قیام حکمرانوں کے ہاتھوں سے منتقل ہوکر عام مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا اور تمام دینی نظام کا دارومدار آزاد اربابِ خیر اور آزاد اربابِ علم وفکر کی مساعی وتوجہات پر ہوگیا۔ چنانچہ حکمران کافر تھے، جب بھی دین اس ملک میں اسی طرح باقی رہا اور خدا کے فضل سے یہی سنت مستقل طور پر قائم ہوگئی، لیکن دوسرے اسلامی ممالک میں حالات اس سے مختلف رہے۔ آج تک مساجد کی تعمیر جامعات ومعاہد کی تاسیس اور تمام دینی نظام کی کفالت حکومت کے ذمہ ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جہاں اسلامی حکومت کا دینی مزاج بگڑ گیا تمام دینی نظام بھی اس سے متاثر ہوئے۔ کم وبیش یہی تمام اسلامی ممالک کا حال ہے۔ الحمدللہ کہ تمام پاکستان میں جو کچھ دینی رونق ہے وہ پاکستانی مسلمانوں کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہے اور اس کا افسوس ہے کہ حکومت اسلامی کہلانے کے باوجود اس میں کوئی حصہ نہیں لیتی اور شاید حق تعالیٰ کے تکوینی نظام کی مصلحت وحکمت یہی ہو۔

برطانوی اقتدار اور حکومت سے جہاں روح فرسا اذیتیں مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں پہنچیں وہاں ایک عظیم فائدہ بھی مسلمانوں کو پہنچا کہ انہوں نے دینی خدمتوں کی خود کفالت کرنا اور ان کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنا سیکھ لیا۔ بلاشبہ آج بھی پاکستان تمام عالمِ اسلام کی دینی قیادت کی اہلیت رکھتا ہے اور دینی اقدار تمام عالم سے زیادہ اس خطۂ پاک میں نمایاں ہیں۔ تمام عالمِ اسلام خصوصاً عربی ممالک میں حکومت کے اثر سے یورپ کی نقالی کی جو وبا پھیل گئی ہے' الحمدللہ پاکستان بدرجہا ان سے بہتر حالت میں ہے۔ خدانخواستہ پاکستانی مسلمان بھی اگر اپنی خصوصیات کھو بیٹھیں تو بس اللہ تعالیٰ ہی اسلام کی حفاظت فرمائے گا۔ ضرورت ہے کہ اس عام دینی روح اور اس عمومی دینی مزاج کو بہرصورت وبہرحالت باقی رکھا جائے۔ اسی وسیلہ سے اہالیِ پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کچھ امید ہوسکتی ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين (آمين)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ: ۱۶؍رمضان ۱۳۷۴ھ ۹؍مئی ۱۹۵۵ء

گرامی مفاخر محترم! زادکم اللّٰہ کرامۃً و کرمًا جمًّا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ مکارم نے ممنون وشادکام فرمایا:

اے تو خوش باشی کہ وقتِ ما خوش کردی

محترما! جو کچھ آپ نے فرمایا بالکل صحیح ہے اور الحمدللہ کہ مجھے کافی حد تک اس کا احساس ہے، مجھے اگر اس کا خطرہ ہوتا کہ آپ مجھے بالکل بے نوا چھوڑ دیں گے تو آخری حیلہ وسیلہ عالمِ اسباب میں یہی تھا کہ مولانا مدنی مدظلہم کو اس انداز سے عریضہ لکھتا کہ مجھے کامل توقع تھی کہ وہ آپ کو مجبور کرتے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جواب میں آپ کو بے بس بننا تھا، لیکن خیال یہی تھا کہ الحمدللہ جانبین کو جو قلبی رابطہ ہے شاید کسی توسل کے وجود رابطے کی حاجت نہ ہوگی۔

میں بارہا والد محترم مدظلہٗ اور رفیق محترم مولانا لطف اللہ صاحب اور خدا جانے کتنے حضرات کے سامنے اس حقیقت کا اعتراف بلا کسی تردُّد کے کر چکا ہوں کہ طلبہ سے زیادہ اور کہیں زیادہ اساتذہ کو آپ کی حاجت ہے۔ کسی علمی ادارے کا اور اہم ترین کسی علمی خدمت کا جب بھی تصور آیا تو آپ کے وجود

کا تصور لازمِ ماہیت پایا۔ اور اہم ترین اور عظیم ترین علمی خدمت میں رفاقت کو لزومِ بین بالمعنی الاخص سے کم تصور نہیں کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تو دارین کی معیتِ دائمی اور قربِ حقیقی کا متمنی رہا ہوں۔

ان حالات اور ان اعتقادات میں یہ کتنا بڑا ظلم اور عدوان ہوتا کہ آپ مجھے ایسا بناتے کہ سارے اعتقادات نقیضِ معتقد بنتے، اور ''لایحتمل النقیض'' والے ایقانی درجہ کو وسوسۂ نفسانی بناتے۔ خدا کی قسم! خدمت، قدردانی وما إلٰی ذلک من الکلمات المتعارفة کو اس مقام کے لیے جہاں ہم اور آپ ہیں ایک اجنبیت اور غیریت سمجھتا ہوں۔ آپ جو کچھ ہیں اور جیسے کچھ ہیں ظاہری یا معنوی ہم حتمی عقد کر چکے ہیں، خیارِ رؤیت کی حالتِ منتظرہ کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس بازار میں یوسف خریدار بن چکا ہے، نقد زر سے نہیں نقد جان سے:

ولي شاهد من مقلتي ولساني

بات پھیل رہی ہے اور داستان لذیذ ہے، جانبین کا رابطہ چونکہ موضوعِ بحث ہے، اس لیے مزید تطویل سے شاید بدیہی نظری بن جائے، اس لیے بجائے تطویل تقصیر ہی انسب ہے، اور آپ بھی تسلیم فرمائیں گے کہ اس تقصیر میں میری کوئی تقصیر نہیں ہوگی، بچوں کی تربیت کی اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نکال ہی دے گا۔

بہرحال جہاں طیب وعبداللہ تھے اور آپ دیوبند میں تھے اور وہ تنہا تھے، اب تو عبدالرحمٰن وقاسم سلمہم کے ساتھ عبداللہ وطیب ہوں گے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام کو برکت عطا فرمائے تو ان شاء اللہ! آپ اپنی ہی زیرِ سایہ سب کی تربیت فرمائیں گے، وماذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

میں ڈاکخانہ گیا تھا، کچھ کام تھا، جو کچھ ڈاک کا کام آج کرنا تھا کر چکا تھا، ڈاک خانہ میں لفافہ آپ کا ملا، سوءِ اتفاق سے چشمہ نہیں لے گیا تھا، ناتمام الفاظ کو منتشر شعاعوں سے سمیٹنے کی کوشش کی، اور جلد گھر پہنچا کہ عینک لگا کر پڑھوں، پڑھتے ہی جواب کے لیے چند سطر لکھنے کی فوری خواہش ہوئی، کل تک انتظار مشکل معلوم ہوا۔

میں کل تسنیم ونوائے پاکستان والفلاح میں مختصر اعلان شائع کرنے والا ہوں۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد مجھے توقع ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بھی جلد آمادہ ہو جائیں گے۔ مولانا طفیل صاحب سے عرصۂ دراز کے بعد اُن کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ سابق تکدر کا جانبین کے دلوں پر کوئی اثر نہ تھا، اپنی سفرِ سرحد کی داستان بڑی تفصیل سے سنائی۔

مجھے ہر جمعہ کو کراچی جانا پڑتا ہے، تاکہ مہمات کی تکمیل کی جلد سبیل نکل آئے۔ تیس ہزار کا بجٹ بنایا ہے، ۱۵ ہزار بمد زکاۃ طلبہ کے لیے، اور ۱۵ ہزار بمد تبرعات برائے تعلیم و کتب۔

تقریباً دونوں مدوں میں نصف نصف تک مرحلہ پہنچ گیا ہے، اس کا عزم الحمدللہ کرلیا ہے کہ بمدِ مشاہرات زکاۃ کی رقم نہیں لیں گے، اور متعارفہ حیلہ کرکے کام نہیں ملائیں گے، **نرجو اللّٰهَ سبحانهٗ أن يبارك لنا في عزمنا ويوفقنا إلٰى مافيه صلاحنا**۔ ماہِ برکات ہے، اللہ تعالیٰ کے جود کا مہینہ ہے۔ تخلُّق باخلاق اللہ، اصفیاء باصفا کا شیوہ ہے، اور تشبُّہ بالصالحین کم سے کم تو مطلوب ہونا چاہیے۔ میں اپنی ذات اور متعلقین میں جن جن ضروریات وحاجات کی تکمیل کا آرزومند ہوں، اکثر آپ کے سامنے ہوں گے، **فأرجوا أن لاتنسوني في صالح دعواتكم لتلك الحاجات**۔

اطلاع:

جمہوریہ سوریہ کی ''**مجلس المجمع العلمي العربي**'' نے پاکستان سے رکن منتخب کرنے کے لیے سفارت خانہ کے ذریعہ تحقیق کرائی تھی، تین نام پیش ہوئے تھے، ''قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند''۔ پرسوں رجسٹرڈ رسمی اطلاع وزیر معارفِ سوریہ اور رئیس الوزراء صبرء کے دستخطوں سے پہنچی ہے۔ والسلام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ: ۹ رصفر الخیر

گرامی مفاخر محترم، **زیدت معالیکم**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ سامی باعثِ شرف ہوا، زمانۂ دراز کے بعد عہدِ سابق کی یاد تازہ ہوگئی، مفصل مکتوب نے تقریباً کامل ملاقات کا حظ دیا، توجہ والطاف کا شکرگزار ہوں۔ حضرت مدنی دامت برکاتہم ۲۷ رنومبر کو جمعیت العلماء صوبہ سی پی کی صدارت سے فارغ ہوکر دھولیہ مالیگاؤں تشریف لے جائیں گے۔ مراجعت میں اگر فرصت ملی تو ہم مشتاقانِ زیارت کو اپنے قدومِ میمون سے سعادت اندوز فرمائیں گے۔ وعدہ فرما چکے ہیں، کاش! اس موقع پر آپ بھی ہوتے۔

شیخ کوثریؒ کے چند رسائل بھی بطور ہدیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا، آپ کے لیے بھی تو تین رسالے رکھ چھوڑے ہیں، بقیہ زائد نہیں۔ اگر مصر سے کتابیں منگوائیں تو آپ کے لیے منگائیں گے۔ مصر میں کتابیں بے حد گراں ہیں، سو روپیہ کی حقیر رقم مہمات کے لیے ہرگز کفایت نہیں کرتی۔ حیدرآباد کے دائرۃ المعارف کی مطبوعات بہت گراں ہوگئی ہیں، اب صرف بمشکل اربابِ مکاتب کو ربع کمیشن دیتے ہیں، سابق مراعات ختم ہوچکی ہیں: ''آں قدح بشکست آں ساقی نماند''۔

افسوس ''**وتلک الأیام نداولها بین الناس**'' ہندوستان میں علمی حالات مایوس کن ہیں، بلکہ ہمت شکن، البتہ توقع ہے کہ شاید سرزمینِ پنجاب میں پھر کوئی بہار آئے۔ یہاں مدارس ہیں، اساتذہ ہیں، لیکن طلبۂ علم کا قحط ہے۔ بدشوق، مہمل، بداخلاق کیسے مخاطب بن سکتے ہیں، اس لیے اب مجھ پر یہاں کی زندگی کے متعلق سوچنا پڑ رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کراچی، ملتان وغیرہ سے دعوت نامے آئے تھے، اور مدرسی کے تھے، لیکن میں نے عذر کر دیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند نے مطابق تجویز شورائی منعقدہ ماہِ شوال دعوت دی تھی، لیکن اعتذار کرنا پڑا۔ آپ نے حضرت گل داد صاحب سے تعلُّق کی نوعیت کا ذکر نہیں کیا۔ حکیم صاحب کس عالم میں ہیں، آپ کی تجارتِ مردان کا کیا حال ہے؟ پشاور کبھی تشریف لے جانا ہوتا ہے یا نہیں؟ مولوی محمد ایوب کا کیا حال ہے؟

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ کو ہوکر ہجرت کرنے والے ہیں۔ مولانا بشیر احمد صاحب وہاں کے سرپرست مقرر ہوگئے ہیں، ان کی وجہ سے یہ انتخاب عمل میں آیا ہے۔ .....اس وقت ابھی چند سطروں پر قناعت کرتا ہوں، آپ بھی کر لیجیے۔ آج خطوط لکھنے بیٹھا ہوں، بہت لکھنے ہیں، مولوی عبدالرؤف صاحب کو آپ کا والا نامہ دکھلایا تھا، وہ جواب لکھیں گے۔ آج سہ ماہی امتحان میں ہیں، آپ نے سچ فرمایا تھا....ولکن ایں بالفعول الخ

بس اب رخصت ہوتا ہوں، توجہات ومراسلات سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام:

ختام

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کھانا کھانے کے بعد کی دو دعائیں اور متعلقہ مباحث

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
اُستاذ ونگران شعبہ تخصص فقہ اسلامی جامعہ

دینِ اسلام کی جامعیت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ یہ دین اپنے اصول وفروع کی ہمہ جہتی پر مشتمل ہے، اس کا دائرۂ بیان' اُصولی وفروعی احکام سے آگے بڑھ کر عادات واخلاق سے بحث بھی کرتا ہے۔ صاحبِ شریعت ﷺ سے جہاں مأ مورات ومنہیات کی تفصیلات منقول ہیں وہاں بیان وحکایت کے جملہ لوازم کے ساتھ آپ کی عاداتِ مبارکہ اور اطوارِ سامیہ بھی منقول ہیں، اور محفوظ بھی ہیں۔

یہ بھی دینِ اسلام کا حفاظتی اعجاز ہے کہ کسی بھی روایت کی نقل وحکایت میں راوی کی خوبی وخامی سے لے کر روایت کی کمی وبیشی تک ایک ایک بات' اہلِ علم کے پیشِ نظر اور زیرِ فکر رہتی ہے، اس کی ایک تازہ مثال جو گزشتہ کچھ عرصہ سے اہلِ علم کے درمیان زیرِ بحث ہے:

وہ یہ ہے کہ: ''من أكل طعامًا، فقال: الحمد للّٰه الذي أطعمني هذا ورزقنيه من غير حولٍ مني ولا قوّة: غُفر لهٗ ما تقدَّم من ذنبهٖ ؛''(۱) کے حمد یہ الفاظ اور کلماتِ تشکر کھانا کھانے سے قبل مسنون ہیں، یا کھانا کھانے کے بعد سنت ہیں؟

دوسرا یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد کی معروف دعاء: ''الحمد للّٰه الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين.''(۲) کے اندر ''مسلمين'' سے قبل کلمۂ ''مِنْ'' کا اضافہ درست ہے، یا نہیں؟

''الحمد للّٰه الذي أطعمني هذا الطعام .....'' کے موقع ومحل کی تحقیق

پہلی دعا سے متعلق بعض اہلِ علم کا ارشاد ہے کہ یہ دعا کھانے سے پہلے پڑھنا سنت ہے، اس کا موردقبل الطعام ہے، نہ کہ بعد الطعام۔ ان اہلِ علم کی رائے کے احترام میں ہم نے جستجو کی، تو صواب ان کی رائے کے برعکس معلوم ہوا:

(الف)

حدیث کی معروف کتابوں میں ''الحمد للّٰہ الذي أطعمني هذا ورزقنيه مِنْ غير حولٍ مني ولا قوَّة.''(۳) والی دعا کا ذکر کھانا کھانے کے بعد کی دعاؤں میں ہی ملتا ہے، بلکہ باقاعدگی کے ساتھ ''باب ما يقول إذا فرغ من طعامه'' جیسے ''ترجمة الباب'' کے تحت ذکر ملتا ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱:- باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، سنن الترمذي ، ج:۵، ص:۵۰۷، طبعة: دار إحياء التراث العربي، بيروت:

''حدثنا محمد بن إسماعيل، قال: حدثنا عبد اللّٰه بن يزيد المقرئ، قال: حدثنا سعيد بن أبي أيوب، قال: حدثني أبو مرحوم عن سهل بن معاذ بن أنسؓ عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: " من أكل طعاما، فقال: " الحمد للّٰه الذي أطعمني هٰذا ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة " غفر لهٗ ما تقدم من ذنبه.''

۲:- باب ما يقال إذا فرغ من الطعام، سنن ابن ماجة، ج: ۱ ، ص: ۱۰۹۲ ، طبعة: دار إحياء الكتب العربية :

''حدثنا حرملة بن يحيٰى، قال: حدثنا عبد اللّٰه بن وهب، قال: أخبرني سعيد بن أبي أيوب، عن أبي مرحوم عبد الرحيم عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: " من أكل طعامًا فقال: "الحمد للّٰه الذي أطعمني هٰذا ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة " غفر لهٗ ما تقدم من ذنبهٖ.''

۳:- باب ثواب الحمد بعد الطعام، الدعاء للطبراني (ص: ۲۸۰)، طبعة: دار الكتب العلمية ، بيروت:

''حدثنا بشر بن موسٰى، حدثنا أبو عبد الرحمٰن المقرئ، حدثنا سعيد بن أبي أيوب، حدثني أبو مرحوم عبد الرحيم بن ميمون عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ، قال: "من أكل طعاما، فقال: " الحمد للّٰه الذي أطعمني ورزقني من غير حول مني ولا قوة " غفر لهٗ ما تقدم من ذنبهٖ.''

۴:- باب ما يقول إذا لبس ثوبا أو أكل طعاما ،الآداب للبيهقي (ص: ۲۱۲)، طبعة: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت:

''أخبرنا أبو عبد اللّٰه الحافظ، حدثنا بكر بن محمد بن حمزان الصيرفي، حدثنا عبد الصمد بن الفضل، حدثنا عبد اللّٰه بن يزيد المقرئ، حدثنا سعيد بن أبي أيوب، حدثني أبو مرحوم، عن سهل بن معاذ بن أنسؓ عن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، قال: "من أكل طعاما ثم قال: "الحمد

للّٰہ الذي أطعمني ھٰذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول مني ولا قوۃ " غفر لہٗ ما تقدم من ذنبہٖ۔"

۵:- باب ما یقول إذا فرغ من الطعام، الدعوات الکبیر، ج:۲، ص:۱۰۱، طبعۃ: غراس للنشر والتوزیع، الکویت:

"أنبأنا أبو عبد اللّٰہ الحافظ، حدثنا بکر بن محمد بن حمدان الصیرفي، حدثنا عبد الصمد بن الفضل، حدثنا عبد اللّٰہ بن یزید المقرئ، حدثنا سعید بن أبي أیوب حدثنی أبو مرحوم عن سھل بن معاذ بن أنسؓ عن أبیہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: من أکل طعامًا ثم قال: الحمد للّٰہ الذي أطعمني ھذا الطعام ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ: غفر لہٗ ما تقدم من ذنبہٖ۔"

۶:- حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ان کلمات کی شرح کرتے ہوئے "بذل المجھود"(۴) میں واضح طور پر لکھا ہے:

"قولہ: (من أکل طعامًا، ثم قال: الحمد للّٰہ الذي أطعمني ھٰذا الطعام ... إلخ (فیہ استحباب حمد اللّٰہ عقب الأکل)۔"

۷:- اور علامہ ابوالحسن ابن بطالؒ نے صحیح بخاری (۵) کی شرح میں "باب مایقول اذا فرغ من الطعام" کے تحت لکھا ہے:

"أھل العلم یستحبون حمد اللّٰہ عند تمام الأکل والأخذ بھذا الحدیث وشبھہ، فقد روي عن النبي في ذلک أنواع من الحمد والشکر کان یقول إذا فرغ من طعامہ، وقد روي عنہ أنہ قال: "من سمی اللّٰہ علٰی أول طعامہٖ وحمدہٖ إذا فرغ منہ لم یسئل عن نعیمہٖ۔"

۸:- علامہ مبارکپوریؒ "تحفۃ الأحوذي"(۶) میں ابن بطالؒ اور امام نوویؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال ابن بطال: اتفقوا علی استحباب الحمد بعد الطعام، ووردت في ذلک أنواع یعنی لایتعین شيء منھا۔ وقال النووي: في الحدیث استحباب حمد اللّٰہ تعالٰی عقب الأکل والشرب۔ وقد جاء في البخاري صفۃ التحمید: الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفیٔ ولا مودع ولامستغنی عنہ ربنا۔ وجاء غیر ذلک، ولو اقتصر علی الحمد للّٰہ حصل أصل السنۃ۔ اھـ۔

(ب)

مذکورہ دعا کا لفظی سیاق بھی یہی بتا تا ہے کہ یہ دعا کھانے کے بعد پڑھی جانی چاہیے، اس روایت کے شروع میں "من أکل طعامًا، ثم قال: الحمد للّٰہ یا من أکل طعامًا، فقال: الحمد للّٰہ" جیسے کلمات مذکور ہیں۔

لفظ ثم اور کلمۂ ف دونوں تراخی اور تعقیب کے لیے مستعمل ومتداول ہیں، نیز "من أکل طعامًا" میں ماضی کے صیغے کا استعمال بھی کھانا کھانے کے بعد پڑھنے کا مؤید ہے۔

اسی طرح "أطعمني ھٰذا" یا "ھٰذا الطعام" کھانا کھا چکنے کے بعد پڑھنے کے مشعر ہیں۔

(ج)

کھانا پینا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، نعمت پر حمد وشکر نعمت کے استعمال کے بعد ہوتا ہے، جیسے:

کھانا کھانے کے بعد:

''في مسند أحمد (۷): عن رجل من بني سليم، وكانت له صحبة،: أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان إذا فرغ من طعامه، قال: اللّٰهم لک الحمد، أطعمت وسقيت، وأشبعت وأرويت، فلک الحمد غير مكفور، ولا مودع، ولا مستغنى عنک ''

پانی یا مشروب پینے کے بعد:

''وفي الدعاء للطبراني (۸): عن أبي جعفر، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا شرب الماء قال: الحمد لله الذي سقانا عذبا فراتا برحمته، ولم يجعله ملحا أجاجا بذنوبنا ''

لباس پہننے کے بعد:

''وفي مسند أحمد (۹): عن أبي العلاء الشامي، قال: لبس أبو أمامة ثوبا جديدا، فلما بلغ ترقوته، قال: الحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتي، وأتجمل به في حياتي، ثم قال: سمعت عمر بن الخطابؓ، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من استجد ثوبا فلبسه، فقال حين يبلغ ترقوته: الحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتي وأتجمل به في حياتي. ثم عمد إلى الثوب الذي أخلق –أو قال ألقى – فتصدق به : كان في ذمة الله، وفي جوار الله، وفي كنف الله حيا وميتا، حيا وميتا، حيا وميتا ''

قضائے حاجت سے فراغت کے بعد:

''وفي سنن ابن ماجة (۱۰): عن أنس بن مالکؓ، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا خرج من الخلاء ، قال: الحمد لله الذي أذهب عني الأذى وعافاني''

جبکہ نعمت کے شروع اور آغاز کے موقع پر تسمیہ، تبرُّک اور تیمُّن کے الفاظ پڑھنا مسنون ہے، جیسے:

کھانا کھانے سے پہلے:

''بسم الله وبركة الله''(۱۱)۔

سفر سے پہلے:

''بسم الله توكلت على الله، لا حول ولا قوة إلا بالله''(۱۲) وغیرہ۔

گھر میں داخل ہونے سے پہلے:

''اللّٰهم إني أسألک خير المولج، وخير المخرج، بسم الله ولجنا، وبسم الله خرجنا، وعلى

اللّٰہ ربنا توکلنا. ''وغیرہ۔

پس بعض اہلِ علم کا یہ اصرار یا دعوائے اختصاص کہ مذکورہ دعا کھانے سے پہلے یا کھانا شروع کرتے وقت کی دعا ہے، بظاہر درست نہیں ہے، واللہ اعلم۔

''الحمد للّٰہ الذي أطعمنا .....مِنَ المسلمین.الخ'' میں ''مِنْ '' کے اضافے کی تحقیق

جہاں تک دوسری دعا ''الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین '' میں لفظ ''مِنْ'' کے اضافے کا تعلق ہے، اس لفظ کے موجود ہونے کی نفی اس تفصیل کے ساتھ شاید درست ہو کہ عام متداول کتابوں میں یہ معروف دعا لفظ ''مِنْ'' کے اضافے کے بغیر منقول ہے۔

نیز اس لفظ کی غیر موجودگی جملہ کی ترکیبی حالت پر اثر انداز بھی نہیں ہوتی، اور سننِ اربعہ اور احادیث واذکار کی دیگر چند کتابوں میں یہ دعا لفظ ''مِنْ'' کے اضافے کے بغیر ہی مذکور ہے۔

لفظِ ''مِنْ '' کے حذف پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱:-''وفي مسند أحمد (۱۳): عن أبي سعید الخدريؓ، أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا فرغ من طعامہٖ قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا، وجعلنا مسلمین ."

۲:-''وفي مصنف ابن أبي شیبۃ (۱۴): عن أبي سعیدؓ، قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أکل طعاما قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین ."

۳:-''وفي سنن أبي داود (۱۵): عن أبي سعید الخدريؓ، أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا فرغ من طعامہٖ، قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا، وسقانا، وجعلنا مسلمین ."

۴:-''وفي سنن الترمذي (۱۶): عن أبي سعیدؓ، قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أکل أو شرب قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین ."

۵:-''وفي السنن الکبری للنسائي (۱۷): عن أبي سعید الخدريؓ، قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أکل طعامًا قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا، وجعلنا مسلمین ."

۶:-''وفي سنن ابن ماجۃ (۱۸): عن أبي سعیدؓ، قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أکل طعاما، قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا، وسقانا وجعلنا مسلمین."

۷:-''وفي عمل الیوم واللیلۃ (۱۹): عن أبي سعید الخدريؓ، قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا أکل طعاما قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین."

۸:-''وفي شعب الإیمان (۲۰): عن أبي سعید الخدريؓ، أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا فرغ من طعامہٖ قال: " الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین."

ان حوالہ جات کی موجودگی میں یہ کہنا تو درست ہے کہ مذکورہ دعا میں لفظ ''مِنْ '' کا اضافہ سنن وغیرہا کے متداول نسخوں اور معروف مراجع میں موجود نہیں ہے، اور لفظ ''مِنْ '' کے نہ ہونے سے

مذکورہ دعائیہ کلمات میں لفظی اور معنوی لحاظ سے کوئی خلل بھی واقع نہیں ہورہا، نیز خورد نوش کی نعمت صغریٰ اور زمرۂ مسلمین میں شامل ہونے کی نعمتِ عظمیٰ پر حمد وشکر کا اصل مقصود بھی پورا ہورہا ہے، جیسا کہ اوپر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گزرا کہ اصل مقصد (شکرِ باری تعالیٰ) میں الفاظ کا تقیُّد ضروری نہیں، بلکہ صرف ''الحمد للّٰہ '' بھی کافی ہے، اس لیے ''جعلنا مسلمین ''میں لفظ ''مِنْ '' کے اضافے اور موجودگی پر اصرار نہیں کیا جاسکتا۔

لفظِ ''مِنْ '' کے اضافے پر مشتمل حوالہ جات:

مگر بعض اہلِ علم کا یہ ارشاد محلِ نظر ہے کہ اس دعا میں لفظ ''مِـنْ '' کا اضافہ کہیں بھی نہیں ہے، قطعی غلطی ہے یا محض تصحیف ہے یا پھر ناسخین کے تصرُّف کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ لفظ ''مِـنْ '' کا اضافہ کئی معتبر، معتمد اور محقق ناقلین اور شارحین کی نقول اور شروح میں موجود ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

☆ **کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، ج: ۷، ص: ۱۰۴، رقم الحديث: ۱۸۱۷۷، طبعة: مؤسسة الرسالة:**

" كان صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من طعامه قال: الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين. حم ۴ والضياء عن أبي سعيد."

☆ **جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد، ج: ۴، ۸۹، رقم الحديث: ۹۴۲۲، طبعة: دار ابن حزم، بيروت:**

" أبو سعيد: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أكل أو شرب، قال: الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين. للترمذي وأبي داود."

☆ **حجَّة الله البالغة، للشاه ولي الله الدهلوي، ج: ۲، ص: ۲۱۴، طبعة: دار الجيل، بيروت:**

" وإذا أكل أو شرب" الحمد لله الذي أطعمنا، وسقانا، وجعلنا من المسلمين."

☆ **الشمائل النبويَّة، للترمذي، ص: ۱۱۸، رقم الحديث: ۱۹۲، نسخةٌ مخطوطة في المكتبة الأزهرية:**

" عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من طعامه قال: "الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من مسلمين."

☆ **أشرف الوسائل إلى شرح الشمائل لابن حجر الهيتمي رحمہ اللہ، ص: ۲۷۱، طبعة: دار الكتب العلمية، بيروت:**

''(قال: الحمد لله ... إلخ)، وختمهُ بقولهِ: (وجعلنا من المسلمين)؛ للجمع بين الحمد على

النعم الدنيوية والأخروية، وإشارة إلٰى أن الحامد لا ينبغي أن يجود بحمدهٖ إلٰى أصاغر النعم، بل يتذكر جلائلها فيحمد عليها أيضا؛ لأنها بذٰلك أحرٰى وأحق وأولٰى.''

☆ **حاشيةُ السِّندي على ابن ماجة، ج: ۲، ص: ۳۰۷، رقم الحديث : ۳۲۸۳، طبعة: دار الجيل، بيروت:**

'' قوله: (وجعلنا من المسلمين) للجمع بين الحمد على النعمة الدنيوية والأخروية.

☆ **كنز الدرر وجامع الغرر لابن أيبک، ج: ۱۳، ص: ۱۰۴، طبعة: عيسى البابي الحلبي:**

'' وإذا رفع الطعام من بين يديه قال: '' الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وآوانا وجعلنا من المسلمين .''

☆ **الكلم الطيب لابن تيمية، ص: ۸۲، طبعة: دار الفكر، بيروت:**

'' وعن أبي سعيدؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من طعامهٖ قال:'' الحمد لله الذي أطعمنا، وسقانا، وجعلنا من المسلمين. خرجه أبو داود والترمذي.''

☆ **الحصنُ الحصين، لإمام المقرئين الجزري، ص: ۱۱۱، طبعة: نجم العلوم، لكهنوء :**

'' الحمد لله الذي أطعمنا، وسقانا، وجعلنا من المسلمين. عه، ى.''

☆ **السنن والمبتدعات المتعلقة بالأذكار والدعوات للحوامدي، ص: ۲۸۶، طبعة: دار الفكر:**

'' وعن أبي سعيدؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من طعامهٖ قال: الحمد لله الذي أطعمنا، وسقانا، وجعلنا من المسلمين. رواه أبو داود والترمذي.''

☆ یہ تمام ناقلین، شارحین اور محققین معتمد اور مستند لوگ ہیں، ان کے نقل کردہ اقوال، حوالہ جات، اور آثار واحادیث کو قبول کیا جاتا ہے، بلکہ انہیں ثانوی مراجع کا درجہ بھی حاصل ہے، اس لیے ایسے معتمد اصحابِ علم کی نقل کو غلطی کی بجائے تحقیق پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔

☆ مزید یہ کہ لفظِ ''مِـــنْ'' کے اضافہ کو درست مان لینے سے روایت کی معنوی اور ترکیبی حیثیت میں ایسا بڑا خلل بھی نہیں آتا جسے تصحیف یا مردود اضافہ کا مورد ٹھہرایا جائے، بلکہ نعمتِ طعام پر حمد وشکر جیسے مقصودِ اصلی کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو اس مقصدِ اصلی کی ادائیگی کے لیے الفاظ کا تفاوت، خود مأثور دعاؤں کی صورت میں موجود ہے۔

☆ کھانے اور پینے کے بعد متعدد دعاؤں کا منقول ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان دعاؤں کا اصل مقصد نعمت طعام پر حمد وشکر ادا کرنا ہے، الفاظ کا تقیُّد بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے، (**كما مر عن النوويؒ وابن جوزي**) چنانچہ کھانا کھانے کے بعد جو دعائیں پڑھنا منقول ہیں، وہ ملاحظہ ہوں:

ففي مسند أحمد (۲۱):

''عن أبي سعيد الخدريؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من طعامهٖ قال: الحمد لله

الذي أطعمنا وسقانا، وجعلنا مسلمين ‘‘

وفي سنن الترمذي (۲۲):

’’عن معاذ بن أنسؓ، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من أكل طعامًا، فقال: الحمد للّٰہ الذي أطعمني هٰذا ورزقنيه من غير حولٍ ولا قوّة: غُفر لهٗ ما تقدَّم من ذنبه.‘‘

وفي مسند أحمد (۲۳):

’’عن أبي أمامةؓ، قال: كان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا رفعت المائدة قال: الحمد للّٰہ كثيرا طيبا مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا.‘‘

وفي جمع الجوامع (۲۴): ۱۰۶۲۲/۱۴۲ –

’’الحمد للّٰہ حمدًا طيبًا مباركًا فيه، غير مكفور ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا.‘‘ كان صلی اللّٰہ علیہ وسلم يقوله إذا رفع مائدته. خ، طب عن أبي أمامة.‘‘

وفي سنن ابن ماجة (۲۵):

’’عن أبي أمامة الباهلي، عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، أنه كان يقول إذا رفع طعامه أو ما بين يديه، قال: الحمد للّٰہ حمدا كثيرا، طيبا مباركا، غير مكفي، ولا مودع، ولا مستغنى عنه ربنا.‘‘

مؤخرالذکر روایت میں ’’حمدًا‘‘ کے بعد کہیں پر ’’کثیرًا‘‘ کے الفاظ منقول ہیں اور کہیں پر صرف ’’حمدًا طیبًا‘‘ وارد ہے، کہیں پر ’’الحمد للّٰہ کثیرًا‘‘ کے الفاظ ہیں، ’’حمدًا‘‘ نہیں ہے۔

☆ مؤخرالذکر دعا کو الفاظ کے حذف و اضافہ کی دونوں صورتوں کے ساتھ بلانکیر نقل و قبول کرنا، اس بات کے لیے مؤید ہے کہ اس نوعیت کی روایات میں اس درجے کی معمولی کمی بیشی سے اگر روایت میں لفظی یا معنوی خلل پیدا نہ ہوتا ہو اور مقصودِ اصلی صحیح طور پر ادا ہو رہا ہو، بالخصوص ایسی روایات کہ جن پر کسی حکم کی بنیاد بھی نہ رکھی جا رہی ہو، تو ایسی روایات کو نقلِ روایات کے ضوابط اور اُصولِ تحقیق کے قواعد کے موجب اس درجے کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، بطورِ خاص جن اہلِ علم کے ہاں روایت بالمعنی کا جواز موجود ہو اور ایسی روایات کے ناقلین کی ثقاہت و فقاہت بھی مسلم ہو، تو ایسے موقع پر کسی غیر مخل لفظ کی کمی بیشی میں شدت کے ساتھ اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

’’الحمد للّٰہ الذي أطعمنا و سقانا و جعلنا مسلمين ‘‘ میں لفظِ ’’مِنْ‘‘ کے اضافے پر دو وزنی اشکال اور اُن کا جواب

تاہم روایتِ بالا (الحمد للّٰہ الذي أطعمنا و سقانا و جعلنا مسلمين) کے بارے میں روایتی پہلو سے دو وزنی اشکال سامنے آتے ہیں، ایک یہ کہ جب مذکورہ دعا کو بطور روایت و حکایت

بیان کیا جارہا ہو تو اس میں روایت ونقل کے دیانتی اُصول کے مطابق معمولی کمی بیشی کی گنجائش بھی نہیں ہونی چاہیے، یہ روایت کا وہ اصول ہے جس کی رعایت ہر جگہ رکھی جاتی ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ جن کتب میں لفظِ ''مِنْ'' کا اضافہ درج ہے، ان کتابوں میں جن مصادر کا حوالہ دیا جاتا ہے، ان مصادرِ اصلیہ کے دستیاب نسخوں میں لفظِ ''مِـــنْ'' کا اضافہ موجود نہیں ہے، یہ دونوں اشکال علمی واُصولی نوعیت کے ضرور ہیں، مگر ان کے بجا ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان الفاظ کی نفی کے لیے استقراء کی بجائے استقصاء واحصاء تام کا مؤقف قائم کیا جائے، مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی عالمِ دین شاید ہی ایسا ہو جو یہ مؤقف رکھتا ہو کہ دنیا کے سارے نسخے ہم نے دیکھ لیے ہیں، اور اضافہ نقل کرنے والے ہمارے ناقلینِ عظام کے سامنے بھی مراجعِ اصلیہ کے وہی نسخے موجود تھے جو ہمارے سامنے موجود ہیں۔

اگر یہ جازِمانہ رائے قائم نہ ہو سکے تو پھر یہ احتمالی رائے زیادہ وقیع ہے کہ لفظِ ''مِنْ'' کے حذف واضافہ کو نسخوں کا اختلاف قرار دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ ہمارے متأخرین ومعاصرین، ناشرین و ناسخین کے سامنے جو نسخے تھے ان میں لفظ ''مِنْ'' کا اضافہ نہیں تھا یا محذوف تھا، جبکہ ''**جمع الفوائد، کنز العمال، الحصن الحصین، الکلم الطیب، حجة اللّٰه البالغة**'' وغیرہا کے مؤلفین ومحققین کے سامنے سننِ اربعہ، مسند احمد، شمائل اور بیہقی وغیرہ کے بعض ایسے نسخے بھی موجود تھے جن میں لفظِ ''مِنْ'' کا اضافہ موجود تھا، یہ اضافہ محض احتمالی نہیں ہے، بلکہ اس کے شواہد بھی موجود ہیں:

الف: .....حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے شمائلِ نبوی کی شرح خصائلِ نبوی میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ مذکورہ دعا میں لفظ ''مِـــنْ'' ہمارے ہندی ومصری نسخوں میں نہیں ہے، مگر بعض حواشی میں نسخے کے اشارے کے ساتھ ''من المسلمین'' بھی موجود ہے۔

''**قال شیخُ الحدیث محمد زکریا الکاندهلوي في خصائل نبوي**'' (ص: ۱۹۹)

طبعةُ: مکبتة البشریٰ:

''قوله: (مسلمین) هٰکذا في جمیع النسخ الموجودة من الهندیة والمصریة، وفي بعض الحواشي بطریق النسخة: من المسلمین، اه.''

ب: .....نسخوں کے اسی اختلاف کی تحقیق کرتے ہوئے شیخ ابوعبداللہ السید بن احمد حمودہ فرماتے ہیں کہ شمائل کے متعدد نسخوں میں سے ایک نسخے میں لفظ ''مِنْ'' کا اضافہ موجود ومحفوظ ہے، یہ نسخہ (۱۰۴) صفحات پر مشتمل ہے، مصر کے مکتبہ ازہریہ میں موجود ہے، جو (۱۲۳۲ھ) میں کاتب احمد بن محمد

کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، چنانچہ شیخ ابوعبداللہ السید بن احمد حمودہ شمائل نبوی کی تحقیق کرتے ہوئے مقدمہ میں اس نسخہ کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جس میں لفظِ ''مِنْ'' کا اضافہ ہے:

''نسخة كاملة محفوظة بالمكتبة الأزهرية تحت رقم: (٨٣٣)، (٨٤/٣)، عدد أوراقها (١٠٤) ورقة، في كل ورقة صفحتان عدا الأولىٰ والأخيرة وعدد الأسطر في الورقة (١٥) سطرا، وفي كل سطر (٩) كلمات تقريبًا، وقد كتبت هٰذه النسخة عام ١٢٣٢ هـ علىٰ يد أحمد بن محمد، وكتبهٗ بخط نسخ، وبعضه ثلث، ورمزت لهٰذه النسخة (ت)، وتكرر أحاديث من المخطوطة، ووجدت فيها سقطا مخلا ومخالفة لكثير من النسخ فتجاهلته خشية الأطالة'' (ص:۲۳، ط:مکتبۃ العلوم والحکم)

ج:.....علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمیؒ (متوفی:۹۷۴ھ) نے مذکورہ دعا کے کلمات نقل کرتے ہوئے اپنی تعلیقات میں ''وجعلنا من المسلمين'' کے الفاظ نقل کیے ہیں، اور اسی ترکیب کی روشنی میں تعلیق وتفصیل نقل فرمائی ہے:

أشرف الوسائل إلى شرح الشمائل لابن حجر الهيتميؒ، (ص: ۲۷۱)، طبعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

''(قال: الحمد للّٰه ... إلخ)، وختمهٗ بقوله: (وجعلنا من المسلمين)؛ للجمع بين الحمد على النعم الدنيوية والأخروية، وإشارة إلىٰ أن الحامد لا ينبغي أن يجود بحمدهٖ إلى أصاغر النعم، بل يتذكر جلائلها فيحمد عليها أيضا؛ لأنها بذٰلك أحرىٰ وأحق وأولىٰ.''

د:.....علامہ ہیتمیؒ کی طرح سنن ابن ماجہ کے محشی علامہ نورالدین السندیؒ نے بھی حاشیہ میں ''وجعلنا من المسلمين'' کے الفاظ نقل کرتے ہوئے ان کلمات کی تفہیم وتبیین فرمائی ہے۔

حاشيةُ السِّندي على ابن ماجة، ج:۲،ص:۳۰۷، رقم الحديث: ۳۲۸۳، طبعة: دار الجيل، بيروت.

'' قوله: (وجعلنا من المسلمين) للجمع بين الحمد على النعمة الدنيوية والأخروية.''

ہ:.....ان دونوں حواشی کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ دعا ''الحمد للّٰه الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين'' میں ایک چھوٹی اور ایک بڑی نعمت پر حمد وشکر کا بیان ہے، چھوٹی نعمت اکل وشرب اور بڑی نعمت مسلمان ہونا ہے، چھوٹی نعمت کا فائدہ دنیوی ہے، اور بڑی نعمت کی منفعت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، اس لحاظ سے یہ دعا دنیا وآخرت دونوں کی نعمتوں کو شامل ہے۔

و:.....مسلمان ہونا یقیناً اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، دنیا کی راحت اور آخرت کی نجات اسی

میں مضمر ہے، مگر اس نعمتِ عظمیٰ کا ایک پہلو اور بھی ہے، جس سے اس کی عظمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اور فلاح و کامیابی کا امکان' غالب ہو جاتا ہے، وہ پہلو یہ ہے کہ انسان' مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں کی صنف میں شمار بھی ہو، کیونکہ صاحبِ فضیلت ہونا جتنا کمال ہے اس سے بڑھ کر کمال یہ ہے کہ انسان کو اصحابِ فضیلت کے زمرے میں شمار کیا جائے۔ اس مفہوم کو قرآن وسنت کے مختلف بیانات میں ذکر فرمایا گیا ہے:

''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ أٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ''(سورۃ التوبۃ:۱۱۹)

''وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَأٰتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ''(سورۃ البقرۃ:۴۳)

''تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ ''(سورۂ یوسف:۱۰۱)

''رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ''(سورۃ الشعراء:۸۳)

''وَالَّذِيْنَ أٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ''(سورۃ الطّور:۲۱)

نیز آپ ﷺ کی دعاؤں میں ''اللّٰهم أحيني مسكينًا وأمتني مسكينًا، واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة''(۲۶) بھی وارد ہے۔

اس مضمون کی سب سے واضح تائید قنوتِ نازلہ کے الفاظ سے ہوتی ہے:

''اللّٰهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولَّني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شرَّ ما قضيت، إنك تقضي ولا يقضٰى عليك، وإنهٗ لا يذل من واليت، ولا يعز من عاديت، تباركت ربنا وتعاليت''(۲۷)

اس تفصیل سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ اسلام ایک عظیم نعمت ہے، اس نعمت کے بعد زمرۂ مسلمین میں شمردگی اس سے بڑی نعمت ہے، اس لیے کہ اسلام کی نعمت' نصیب ہونے کے بعد اہلِ اسلام میں شامل اور شمار رہنے کی دعا و تعلیم اس کا واضح ثبوت ہے۔

''جعلنا من المسلمين'' کی ترجیح

اس توضیح کے تناظر میں مذکورہ دعا میں ''وجعلنا مسلمين'' کی بجائے ''وجعلنا من المسلمين'' میں زیادہ جامعیت ہے، ان الفاظ کے ذریعہ دنیا و آخرت کی نعمتوں کا کمال کے ساتھ شکر ادا ہو رہا ہے، یعنی خورد نوش کی نعمت پر شکر، مسلمان ہونے کی نعمت پر شکر، اور مسلمانوں میں شمار ہونے کی نعمت پر شکر کا فائدہ ہو رہا ہے، انفرادیت کے مقابلے میں اجتماعیت میں بے شمار فوائد ہیں، کبھی انسان کا ذاتی کمال اور عمل نجات وقبولیت کا رتبہ نہیں پا سکتا، مگر اجتماعیت کی بدولت وہ ذاتی کمال وعمل اس رتبہ سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے، جیسے اجتماعی نماز، اجتماعی جنازہ اور اجتماعی دعا وغیرہ، اس کے متعدد نظائر ہیں۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''الحمد للّٰہ الذي أطعمني هٰذا ورزقنيه من غير حولٍ ولا قوّة'' یہ دعا کھانے سے پہلے نہیں، بلکہ کھانے کے بعد پڑھنا مسنون وماٴثور ہے۔

جبکہ دوسری دعا ''الحمد للّٰہ الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين'' میں لفظ ''مِنْ'' کے حذف واضافہ سے متعلق تفصیل یہ ہے کہ لفظ ''مِنْ'' کا اضافہ ہمارے ہاں رائج مطبوعہ متداول نسخوں موجود نہیں ہے، اگر کوئی صاحبِ علم لفظ ''مِنْ'' کی موجودگی کی نفی ازیں جہت کرے کہ یہ ہمارے متداول نسخوں میں مکتوب وموجود نہیں ہے، اس لیے ہم نہیں پڑھتے تو ان کی یہ بات اپنی جگہ درست ہے، اوران کا لفظِ ''مِنْ'' کا بغیر پڑھنا بھی درست ہے، روایت کا اصل مقصد اور معنی بھی اپنی جگہ باقی وبرقرار اور صحیح ہے۔

لیکن ''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' کے الفاظ کی سرے سے موجودگی کی نفی یا تصحیف ونسخ کی غلطی کا تاثر دینا درست نہیں ہے، کوئی بھی صاحبِ علم دنیا کے تمام نسخوں پر اطلاع واحاطہ کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

دوسرا یہ ہے کہ متعدد معتبر ناقلین ان الفاظ کو عرصہ سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں، اور بعض مکتبات میں ''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' کے اضافے والے نسخوں کی موجودگی بھی ثابت ہے، جس سے ''وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' والے الفاظ کی موجودگی اور درستگی کی رائے کو تقویت وتائید مل رہی ہے۔

لہٰذا اس سب کچھ کے باوجود تحقیق کے اصول اور روایت کے قواعد کے مطابق اگر متداول مطبوعہ نسخوں میں سے ''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' کے حذف کرنے کی ذمہ داری کسی پر عائد نہیں کی جاسکتی، تو کم ازکم ''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' کے الفاظ کی کہیں نہ کہیں موجودگی اور صحت کا انکار بھی قطعاً نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ حذف وسقط کی ذمہ داری مؤلف ومرتب کی بجائے ناسخ وناشر کے ذمہ میں ڈالنا زیادہ آسان ہوتا ہے، جیسے ''مصنف ابن أبي شيبة'' کے بعض مخطوطات میں ''باب ماجاء في وضع اليدين تحت السرة'' کا باقاعدہ عنوان اور متعلقہ آثار موجود تھے، مگر مطبوعہ نسخوں میں یہ عنوان ہے نہ معنون، جبکہ اس کے مقابلے میں زیرِ بحث مسئلہ اس درجہ کا مدارِ حکم بھی نہیں ہے، اس لیے اس میں نزاع ونکیر کی کوئی وجہ اور ضرورت نہیں ہے۔ مذکورہ دعا کو ''جَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ'' اور ''جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' دونوں طریقوں سے پڑھنا درست ہے۔

هٰذا ما ظهر لي، والصوابُ والحقيقة عند اللّٰه العليم الخبير، وصلى اللّٰه وسلم على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين

حوالہ جات

۱:-سنن الترمذي كتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، (۵۰۸/۵)، رقم الحديث (۳۴۵۸)، طبعةُ :دار إحياء التراث العربي، بيروت.

۲:- مسند أحمد، (۳۷۵/۱۷)، رقم الحديث (۱۱۲۷۶)، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۳:- سنن الترمذي كتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، (۵۰۸/۵)، رقم الحديث (۳۴۵۸)، طبعةُ :دار إحياء التراث العربي، بيروت.

۴:- بذل المجهود في حل سنن أبي داود، كتاب اللباس، (۵۲/۱۲) مؤسسة الخيرية.

۵:- شرح صحيح البخاري لابن بطال، كتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من طعامه، (۵۰۷/۹)، مكتبة الرشد.

۶:- تحفة الأحوذي، كتاب الأطعمة، (۴۳۷/۵)، طبعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

۷:- مسند أحمد، حديث رجل من بني سليم، (۶۱۳/۲۹)، رقم الحديث (۱۸۰۷۱) ، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۸:- الدعاء للطبراني، باب القول عند الفراغ من الطعام والشراب، (ص:۲۸۰)، رقم الحديث (۸۹۹) .

۹:- مسند أحمد، مسند عمر بن الخطابؓ، (۳۹۶/۱)، رقم الحديث (۳۰۵).

۱۰:- سنن ابن ماجة، باب ما يقول إذا خرج من الخلاء، (۱۱۰/۱)، رقم الحديث (۳۰۱).

۱۱:- المستدرک على الصحيحين، كتاب الأطعمة، (۱۲۰/۴)، رقم الحديث (۷۰۸۴)، طبعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

۱۲:- سنن أبي داود، باب ما يقول إذا خرج من بيته، (۳۲۵/۴)، رقم الحديث (۵۰۹۵)، طبعة:المكتبة العصرية، بيروت.

۱۳:- مسند أحمد، (۳۷۵/۱۷)، رقم الحديث (۱۱۲۷۶)، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۱۴:- مصنف ابن أبي شيبة، (۱۳۸/۵)، رقم الحديث (۲۴۵۰۴)، مكتبة الرشد، الرياض.

۱۵:- سنن أبي داود، (۳۶۶/۳)، رقم الحديث :(۳۸۵۰)، طبعةُ المكتبة العصرية، بيروت.

۱۶:- سنن الترمذي، (۵۰۸/۵)، رقم الحديث (۳۴۵۷)، طبعة :مصطفى البابي الحلبي.

۱۷:- السنن الكبرى، (۱۱۶/۹)، رقم الحديث (۱۰۰۴۷)، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۱۸:- سنن ابن ماجة، (۱۰۹۲/۲)، رقم الحديث (۳۲۸۳)، طبعة :دار إحياء الكتب العربية.

۱۹:- عمل اليوم والليلة، (ص:۴۱۵)، رقم الحديث (۴۶۴)، طبعة :دار القبلة.

۲۰:- شعب الإيمان، (۱۶۴/۸)، رقم الحديث (۵۶۳۹)، طبعة :مكتبة الرشد، الرياض.

۲۱:- مسند أحمد، (۳۷۵/۱۷)، رقم الحديث (۱۱۲۷۶)، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۲۲:- سنن الترمذي ، كتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، (۵۰۸/۵)، رقم الحديث (۳۴۵۸)، طبعةُ: دار إحياء التراث العربي، بيروت.

۲۳:- مسند أحمد، حديث أبي أمامة الباهلي، (۵۳۷/۳۶)، رقم الحديث (۲۲۲۰۰)، طبعة :مؤسسة الرسالة.

۲۴:- سنن ابن ماجة، كتاب الأكل، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، (۱۰۹۲/۲)، رقم الحديث (۳۲۸۴).

۲۵:- سنن ابن ماجة، كتاب الأكل، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، (۱۰۹۲/۲)، رقم الحديث (۳۲۸۴).

۲۶:- سنن الترمذي، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم ، (۵۷۷/۴)، رقم الحديث (۲۳۵۲).

۲۷:- سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب القنوت في الوتر، (۶۳/۲)، رقم الحديث (۱۴۲۵)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

شریعتِ اسلامیہ میں نماز کی قضاء کا حکم

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دارالعلوم دیوبند، انڈیا

علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر نماز وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اور اگر کبھی کوئی نماز وقت پر ادا نہ کر سکے تو اسے پہلی فرصت میں پڑھنی چاہیے۔ ہماری اور ہمارے علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش وفکر کریں کہ اُمتِ مسلمہ کا ہر ہر فرد وقت پر نماز کی ادائیگی کرنے والا بن جائے اور ہماری نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوں، کیونکہ اسی میں ہماری اور تمام انسانوں کی اُخروی کامیابی پوشیدہ ہے، جیسا کہ خالقِ کائنات نے سورۃ المؤمنون آیات (۱-۱۱) میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن وحدیث میں وارد نماز کی وقت پر ادائیگی کی خصوصی تاکید کے باوجود بعض مرتبہ نماز فوت ہوجاتی ہے، کبھی بھول سے، کبھی کوئی عذر لاحق ہونے کی بنا پر اور کبھی محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے۔ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کا اتفاق ہے کہ تمام فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: اگر نماز وقت پر ادا نہ کرسکیں تو بعد میں اس کو پڑھیں۔ اختصار کے مدِنظر بخاری ومسلم میں وارد ایک حدیث ذکر کررہا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اس کو یاد آئے فوراً پڑھ لے، اس کا سوائے اس کے کوئی کفارہ نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''نماز قائم کرو میری یاد کے واسطے۔'' (بخاری ومسلم)

بعض روایات میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں:

''جو شخص نماز کو بھول جائے یا اس کو چھوڑ کر سو جائے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھے۔''

حدیث کی مشہور کتاب ''ترمذی'' میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تم میں سے جو بھی نماز کو بھول جائے یا اس سے سو جائے تو وہ جب بھی یاد آئے اس کو پڑھ لے۔''

نوٹ: تاخیر سے سونے کی عادت بنا کر فجر کی نماز کے وقت سوتے رہنا گناہِ کبیرہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض نمازیں وقت کے نکلنے کے بعد پڑھی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوۂ خیبر سے واپس ہو رہے تھے، رات میں چلتے چلتے جب نیند کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے رات کے اخیر حصہ میں ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہبانی کے لیے متعین فرما کر آپ ﷺ لیٹ گئے اور صحابہ بھی سو گئے۔ جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ (تھکان کی وجہ سے) اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پس آپ ﷺ پر نیند غالب ہوئی اور وہ بھی سو گئے اور سب حضرات ایسے سوئے کہ طلوعِ آفتاب تک نہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کھلی اور نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی، نہ کسی اور صحابیؓ کی۔ جب سورج طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں ان حضرات پر پڑیں تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اُٹھایا۔ پھر صحابۂ کرامؓ کو آگے چلنے کا حکم دیا، صحابۂ کرامؓ اپنی سواریاں لے کر آگے بڑھے اور ایک جگہ حضور اکرم ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جو نماز کو بھول جائے، اس کو چاہیے کہ وہ یاد آنے پر اس کو پڑھ لے۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن آئے اور کفارِ قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اب تک عصر نہ پڑھ سکا، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے بھی عصر نہیں پڑھی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وضو فرمایا، ہم نے بھی وضو کیا اور پھر غروبِ آفتاب کے بعد آپ ﷺ نے پہلے عصر پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب ادا فرمائی۔ (بخاری)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کی ایک سے زیادہ نمازیں فوت ہوئی تھیں اور آپ ﷺ نے انہیں وقت نکلنے کے بعد پڑھا۔ مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہوا کہ اگر ایک یا ایک سے زیادہ نماز فوت ہو جائے تو فوت شدہ نمازوں کا پڑھنا لازم وضروری ہے۔ تفصیلات کے لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مسلم کی سب سے مشہور شرح (شرح مسلم، ج:۱، ص:۲۷۷) اور ابن حجر عسقلانیؒ کی بخاری کی سب سے مشہور شرح (فتح الباری، ج:۲، ص:۶۹-۷۰) کا مطالعہ کریں۔

ہاں! اس بھول یا عذر کی بنا پر وقت پر ادا نہ کی گئی نماز کو اداء یا قضاء کا ٹائٹل دینے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بھول یا عذر کی وجہ سے وقت پر نماز ادا نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، ان شاء اللہ! لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دے تو یہ بڑا گناہ ہے، اس کے لیے توبہ ضروری ہے۔ توبہ کے ساتھ جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس کو نماز کی قضاء بھی کرنی ہوگی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی رائے ہے کہ قصداً وعمداً نماز چھوڑنے پر بھی نماز کی قضاء کرنی ہوگی۔ شیخ ابوبکر الزرعیؒ (متوفی: ۶۹۱ھ-۷۵۱ھ) نے اپنی کتاب ''**الصلاۃ وحکم تارکھا**'' میں تحریر کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اس شخص پر بھی نماز کی قضاء واجب ہے جو قصداً نماز کو چھوڑ دے، مگر قضاء سے نماز چھوڑنے کا گناہ ختم نہ ہوگا، بلکہ اسے نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۱ھ) نے اپنی مشہور ومعروف تفسیر (**الجامع لأحکام القرآن**، ج: ۱، ص: ۱۷۸) میں یہی تحریر کیا ہے کہ جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے شخص پر قضاء واجب ہے، اگرچہ وہ گناہ گار بھی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر قضاء واجب ہے۔ غرضیکہ اگر کسی شخص کی ایک یا متعدد نمازیں قصداً وعمداً چھوٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ سے معافی کے ساتھ فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی ضروری ہے، کیونکہ جمہور علماء حتیٰ کہ چاروں ائمہ نے حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی کہا ہے۔ جن بعض علماء نے نماز کے جان بوجھ کر ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے واجب نہ ہونے کا جو فیصلہ فرمایا ہے، وہ اصل میں اس بنیاد پر ہے کہ ان کے نقطۂ نظر میں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے، اب جب کافر ہو گیا تو نماز کی قضاء کا معاملہ ہی نہیں رہا۔ لیکن جمہور علماء کی رائے ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر نہیں، بلکہ فاسق یعنی گناہ گار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، ورنہ عصرِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کی ایک بڑی تعداد دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گی۔

مسلم کی سب سے مشہور شرح لکھنے والے اور ریاض الصالحین کے مصنف امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تحریر کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص نماز کو عمداً ترک کر دے، اس پر قضاء لازم ہے۔ بعض علماء نے مخالفت کی ہے، مگر بعض علماء کی یہ رائے اجماع کے خلاف ہونے کے ساتھ دلیل کے

لحاظ سے بھی باطل ہے۔ نیز انہوں نے تحریر کیا ہے کہ بعض اہلِ ظاہر سب سے الگ ہو گئے اور کہا کہ بلا عذر چھوٹی ہوئی نماز کی قضاء واجب نہیں، اور انہوں نے یہ خیال وگمان کیا کہ نماز کا چھوڑنا اس سے بڑا گناہ ہے کہ قضاء کرنے کی وجہ سے اس کے وبال سے نکل جائے، مگر یہ قول کے قائل کی غلطی و جہالت ہے۔ (شرح مسلم، ج:۱،ص:۲۳۸)

علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ: بعض اہلِ ظاہر سب سے الگ ہو گئے اور کہا کہ اپنے وقت میں نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنے والے پر ضروری نہیں کہ دوسرے وقت میں اس کو ادا کرے۔ (التعليق الممجد على مؤطا للإمام محمدؒ، ص:۱۲۷)

خلاصۂ کلام یہ کہ ۱۴۰۰ سال سے جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کی یہی رائے ہے کہ نماز کے فوت ہونے پر اس کی قضاء کرنی ضروری ہے، خواہ بھول جانے یا سو جانے کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو یا جان بوجھ کر نماز چھوڑی گئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ۔ مشہور ومعروف چاروں ائمہ کی بھی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہی رائے ہے۔ بھول جانے یا سو جانے کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا، مگر قضاء کرنی ہوگی اور قصداً نماز ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی ہوگی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فرض نماز کی قضاء کو واجب قرار دیا جائے، تاکہ کل آخرت میں کسی طرح کی کوئی ذلت اُٹھانی نہ پڑے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداود، مسند احمد)

جب ہم نے یہ تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نماز فرض کی ہے اور قصداً نماز چھوڑنے والا کافر نہیں، بلکہ فاسق وفاجر ہے تو قصداً نماز چھوڑنے پر قضاء کے واجب نہ قرار دینے کی بات سمجھ میں نہیں آتی، مثلاً اگر کسی شخص نے زنا کیا یا چوری کی تو اسے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی ہوگی اور اگر اس کا جرم شرعی عدالت میں ثابت ہو جاتا ہے تو اس پر حد بھی جاری ہوگی، یعنی اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ دنیاوی سزا بھی بھگتنی ہوگی۔ اسی طرح قصداً نماز چھوڑنے والے کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ نماز کی قضاء بھی کرنی ہوگی۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا چاہیے، ہاں! خدانخواستہ اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو پہلی فرصت میں اس کی قضاء کرنی چاہیے، خواہ بھول کی وجہ سے یا سونے کی وجہ سے یا کسی عذر کی وجہ سے نماز فوت ہوئی ہو یا محض لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نماز ترک ہوئی ہو، ایک نماز فوت ہوئی ہو یا ایک سے زیادہ یا

چند سالوں کی۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر کئی دنوں تک نماز نہ پڑھے۔ خیر القرون میں ایک واقعہ بھی قصداً چند ایام نماز ترک کرنے کا پیش نہیں آیا، بلکہ اس زمانہ میں تو منافقین کو بھی نماز چھوڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ اگر لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے نمازیں ترک ہوئی ہیں تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے اور توبہ واستغفار کا سلسلہ موت تک جاری رکھ کر فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنی چاہیے، خواہ وہ فوت شدہ نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرے یا اپنی سہولت کے اعتبار سے ہر نماز کے ساتھ قضاء کرتا رہے۔

علماء کرام نے تحریر کیا ہے کہ ایسے شخص کے لیے بہتر ہے کہ وہ نوافل کا اہتمام نہ کر کے فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرے۔ یہی ۱۴۰۰ سالوں سے جمہور فقہاء وعلماء ومحدثین ومفسرین کی حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں رائے ہے اور عصرِ حاضر میں مشرق سے مغرب تک اکثر وبیشتر علماء کرام کی یہی رائے ہے اور یہی قول احتیاط پر مبنی ہے کہ نمازوں کو چھوڑنے کا سخت گناہ ہے، حتیٰ کہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ زنا کرنے، چوری کرنے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے۔ لہٰذا فوت شدہ نمازوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ ان کی قضاء بھی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کو ان کے اوقات پر پڑھنے والا بنائے اور ایک وقت کی نماز بھی ہماری فوت نہ ہو، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کھا کر شکر کرنے والا (اجر وثواب کے لحاظ سے) بمنزلہ روزہ دار صابر کے ہے۔ (حضرت محمد ﷺ)

طلبِ عافیت!

مفتی غلام مصطفیٰ رفیق

سب سے بہتر اور جامع دعا

رفیق شعبہ مجلسِ دعوت وتحقیق واستاذِ جامعہ

ترمذی شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ سے ایک جامع دعا نقل کی گئی ہے۔ اس دعا کے الفاظ اگرچہ انتہائی مختصر ہیں، مگر اس کے مفہوم میں دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں اور اچھائیوں کی طلب اور تمام مصائب و مشکلات سے پناہ شامل ہے۔ ذیل میں مذکورہ روایت کا ترجمہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف اور مذکورہ دعا سے متعلق فوائد ذکر کیے جاتے ہیں:

''عَنِ العَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: سَلِ اللّٰهَ العَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ أَيَّامًا ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللّٰهَ، فَقَالَ لِي: يَا عَبَّاسُ! يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِ اللّٰهَ العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.'' (ترمذی، ابواب الدعوات، ج:۲، ص:۱۹۱، ط: قدیمی)

''حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ سے عافیت مانگو۔ میں کچھ دن ٹھہرا رہا اور پھر دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے عباس! اے رسول اللہ کے چچا! اللہ سے دنیا وآخرت میں عافیت مانگا کرو۔''

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور عمر میں آپ سے دو سال بڑے تھے، اسلام

کی دولت سے مشرف ہونے سے قبل بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور حمایت میں پیش پیش رہتے تھے، اور آپ ﷺ کے بارے میں ہمیشہ فکرمند ہوتے۔ ہجرت سے قبل موسمِ حج میں جب رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل کے افراد کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے اور اس دوران مدینہ منورہ کے قبائل کے لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے، اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت بھی کرتے رہے، اس سلسلہ کی ایک بیعت سن ۱۳ ہجری میں منعقد ہوئی، جسے ''بیعتِ عقبہ ثانیہ'' کہا جاتا ہے، اس سال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مسلمانوں کا ایک قافلہ لے کر حج کے لیے مکہ آئے، جن میں تقریباً پچھتر افراد تھے، ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ ان کے پاس منیٰ کی گھاٹی میں تشریف لے گئے، اس دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انصار کے اس قافلے سے مخاطب ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بابت فرمایا تھا کہ:

> ''محمد (ﷺ) اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت والے ہیں، اور ہم ان کے حامی اور مددگار ہیں، اور وہ تمہارے یہاں (مدینہ) آنا چاہتے ہیں، اگر تم ان کی پوری پوری حمایت اور حفاظت کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تو بہتر ہے، ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔'' (سیرۃ المصطفیٰ، انصار کی دوسری بیعت، ج:۱، ص:۳۴۱، ۳۴۲، ط: الطاف اینڈ سنز)

پھر انصار کی یہ جماعت رسول اللہ ﷺ سے ہم کلام ہوئی، اور باہمی عہد و پیمان باندھے گئے اور آخر میں بیعت کی گئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اعلانیہ طور پر فتح مکہ سے کچھ قبل اسلام کا اظہار فرمایا۔

ادب کا لحاظ رکھنا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت ہی محبت اور والہانہ تعلق تھا، اور رسول کریم ﷺ کا بڑا ہی ادب کیا کرتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ عمر میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے دو سال بڑے تھے، لیکن عمر کے اس تفاوت کو کبھی اس انداز میں بیان نہیں کرتے تھے، جس سے ظاہری طور پر بھی کسی قسم کی بے ادبی کا اندیشہ ہو۔ جواب دینے کا انداز ہی نرالا اور کمالِ ادب پر مبنی ہوتا تھا، اگر کوئی شخص ان سے سوال کرتا کہ: ''أَيُّمَا أَكْبَرُ أَنْتَ أَمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''..... ''آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟'' اس سوال کا آسان جواب تو یہ تھا کہ فرماتے: ''میں عمر میں بڑا ہوں۔'' لیکن بجائے اس جواب کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جواب کا انداز یہ ہوتا تھا کہ: ''هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي، وَأَنَا وُلِدْتُ قَبْلَهٗ'' بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، ہاں! پیدا پہلے میں ہوا تھا، یعنی میری پیدائش پہلے کی ہے، باقی بڑے تو رسولِ کریم ﷺ ہیں۔ دیکھیے! کس قدر مؤدبانہ اندازِ گفتگو اور جواب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا یہ ایک نمونہ ہے۔ ظاہری گفتگو میں بھی آداب اور محبت کا کس قدر لحاظ فرمایا کرتے تھے، رضي الله عنهم أجمعين۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام پیغمبر ﷺ کی نگاہ میں

آنحضرت ﷺ بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، اور لوگوں کو بھی ان کے اکرام وتعظیم کا حکم دیتے تھے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکوہ کیا کہ یارسول اللہ! بعض لوگ آپس میں تو بڑی بشاشت کے ساتھ ملتے ہیں اور جب ہم سے آمنا سامنا ہوتا ہے تو وہ بشاشت ان کے چہروں پر باقی نہیں ہوتی، ہم سے ملاقات کے وقت ان کے چہروں سے مسکراہٹ ختم ہو جاتی ہے، یعنی ہم سے اس طرح کا سلوک کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور پھر ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ.''..... ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کسی شخص کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا، جب تک وہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے محبوب نہ رکھے۔'' یعنی جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اہلِ بیت کی عظمت موجود نہ ہو، اس دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ آذٰى عَمِّي فَقَدْ آذَانِي فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ.''..... ''اے لوگو! جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس لیے کہ کسی بھی شخص کا چچا باپ کی مانند ہوتا ہے۔'' (ترمذی، مناقب ابی الفضل عم النبی ﷺ وھو العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، ج:۲، ص:۲۱۷، ط: قدیمی)

یہ یاد رہے کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی محبت بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ ہم اہلِ بیتؓ سے محبت کی آڑ میں صحابہؓ کی تنقیص یا ان پر تنقید کو روا نہیں سمجھتے اور اہلِ بیت عظامؓ سے متعلق دل میں کوئی بات رکھنے کو بھی ایمان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات سب کے سب بڑے اونچے لوگ تھے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کی صحبت کی برکت سے انہیں بڑا اونچا مقام نصیب فرمایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عظمت کے معترف تھے اور ان کی خوب قدر وعزت فرمایا کرتے تھے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگا

کرتے تھے، بخاری شریف میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی ہوتی تو امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دعا کرتے: ''اَللّٰھُمَّ إِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِینَا. ''.....''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتے تھے، پس تو ہمیں سیراب کرتا تھا۔'' اور اب پیغمبر تو دنیا سے تشریف لے گئے ہیں: ''وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا. ''..... ''اب ہم آپ سے اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں، پس تو ہمیں سیراب کر۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: (اس دعا کی برکت سے) بارش ہو جاتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اُٹھاتے اور فرماتے کہ: ''اے پروردگار! تیرے پیغمبر کی اُمت نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے، خداوند! تو میرے اس بڑھاپے کو رسوا مت کر اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کر۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں اتنی تاثیر ہوتی تھی کہ جلد ہی بارش شروع ہو جاتی تھی۔

بہر کیف! مذکورہ روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو بار سوال کیا اور دونوں بار جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے محبوب چچا کو عافیت کی دعا مانگنے کا حکم دیا۔ اس سے عافیت کی دعا مانگنے کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

عافیت کیا ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ عافیت کے معنی کیا ہیں؟ جس کے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ: عافیت نہایت ہی مختصر اور جامع لفظ ہے، اور رسول کریم ﷺ کی یہ خصوصیت بلکہ آپ کے معجزات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''جوامع الکلم'' یعنی ایسے مختصر کلمات عطا فرمائے تھے جن کے معانی انتہائی گہرے اور عمیق ہوں۔ ایک طویل حدیث میں خود رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: ''وَأُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ. ''..... ''مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔'' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی حکمتیں اور احکام، ہدایت کی باتیں، مذہبی و دنیاوی امور سے متعلق دوسری چیزوں کو بیان کرنے کا ایسا مخصوص اسلوب اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے جو نہ پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا ہوا اور نہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ انسان کو نصیب ہوا! اور اس اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ انتہائی مختصر سے الفاظ کے ایک چھوٹے سے جملہ میں معانی و مفہوم کا ایک گنجینہ پنہاں ہوتا ہے۔ اگر اس جملہ کو پڑھیں اور لکھیں تو چھوٹی سی سطر بھی پوری نہ ہو، لیکن اس کا فہم اور وضاحت اور تشریح بیان کریں تو کتاب کی کتاب تیار ہو جائے، چنانچہ

آنحضرت ﷺ کے اقوال وارشادات میں اس طرح کے کلمات کی ایک بڑی تعداد ہے جن کو ''جوامع الکلم'' کہا جاتا ہے، لہٰذا یہ عافیت کی دعا بھی ''جوامع الکلم'' میں سے ہے، یعنی جامع دعاؤں میں سے ہے، اس لیے ہر انسان کو اسے یاد کرنا چاہیے اور ہمہ وقت اللہ سے عافیت کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

صاحبِ مظاہرِ حق علامہ نواب قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے، اس کے برابر اور کسی چیز کے مانگنے کو پسند نہیں کرتا۔ عافیت کے معنی ہیں: دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں، تمام آفات و مصائب، تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی وحفاظت، لہٰذا عافیت' دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے۔ جس نے عافیت مانگی، اس نے گویا دنیا وآخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے، (نسأل اللّٰہَ العافیۃَ)۔''

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ قریب کے زمانہ میں بڑے بزرگ گزرے ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''عافیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اونچی نعمت ہے، اور عافیت کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں ہیچ ہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ نیز وہ فرماتے تھے کہ: عافیت دل ودماغ کے سکون کو کہتے ہیں، اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں۔ عافیت کوئی آدمی خرید نہیں سکتا، نہ روپیہ پیسے سے عافیت خریدی جاسکتی ہے، نہ سرمایہ سے اور نہ ہی منصب سے کوئی عافیت حاصل کرسکتا ہے۔ عافیت کا خزانہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی عافیت نہیں دے سکتا۔''

اذان اور اقامت کے درمیان عافیت کی دعا مانگنے کا حکم

کچھ اوقات اور کچھ مقامات قبولیتِ دعا کے لیے خاص ہیں، ان اوقات میں سے ایک اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت بھی ہے، لہٰذا اس وقت میں آدمی کو اپنے لیے، اپنے اہل وعیال، متعلقین اور پوری اُمتِ مسلمہ کے لیے، دینی اور دنیاوی مقاصد کے لیے خوب دعا کرنی چاہیے، اور اس وقت عافیت کی دعا بھی مانگنی چاہیے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلدُّعَاءُ لَا یُرَدُّ بَیْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ.'' ''اذان اور اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا رَد نہیں کی جاتی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے سوال کیا کہ یہ قبولیت کے اوقات میں سے ایک اہم وقت ہے، ہمیں موقع ملے تو اللہ تعالیٰ سے اس قبولیت کے وقت

میں کیا دعا مانگیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .''.....''اس وقت بھی اپنے رب سے دنیا اور آخرت کی عافیت کی دعا مانگا کرو۔''

صبر اور سزا کے بجائے عافیت مانگیں

صبر کے بجائے آدمی کو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنی چاہیے، احادیثِ مبارکہ میں ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو یہ دعا مانگ رہا تھا: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصَّبْرَ''.....''اے اللہ! میں آپ سے صبر مانگتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمادیا کہ: ''سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ'' صبر تو بلاء ومصیبت پر ہوتا ہے، ''فَسَلْهُ الْعَافِيَةَ''.....''تم اللہ سے صبر کی دعا مانگنے کے بجائے عافیت کی دعا مانگو۔''

مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ شخص پرندے کے بچے کی طرح لاغر اور کمزور ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: ''أَمَا كُنْتَ تَدْعُوْ؟ أَمَا كُنْتَ تَسْأَلُ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ؟''.....''کیا تم دعا نہیں کرتے تھے؟ کیا تم اللہ سے عافیت نہیں مانگتے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: میں اللہ سے دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے، وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ!'' تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور تم میں اتنی استطاعت ہی نہیں، تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ أٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ .''یعنی ''اے اللہ! ہمارے ساتھ دنیا وآخرت میں بھلائی کا معاملہ فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

معلوم ہوا کہ انسان کو ہمیشہ دنیا وآخرت کی بھلائی اور عافیت کی دعا مانگنی چاہیے۔

سب سے افضل دعا عافیت کی طلب ہے

سننِ ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟''.....''اے اللہ کے رسول! کون سی دعا افضل ہے؟'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سَلْ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ'' اپنے رب سے دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت کا سوال کرو، پھر دوسرے روز بھی یہی سوال وجواب ہوا، پھر تیسرے دن یہ شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ؟''..... ''اے اللہ کے نبی! کون سی دعا افضل ہے؟''.....تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سَلْ رَبَّكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَإِذَا أُعْطِيْتَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَقَدْ أَفْلَحْتَ .''.....''اپنے

رب سے دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت کا سوال کرو، جب تمہیں دنیا وآخرت میں عفو اور عافیت مل جائے تو تحقیق تم کامیاب ہوگئے۔''

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ترمذی یہ حدیث مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ.'' یعنی ''تم میں سے جس کے لیے دعا کے دروازے کھولے گئے، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے عافیت مانگنا ہر چیز مانگنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

مسند احمد بن حنبل میں امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں یہ منقول ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''لَمْ تُؤْتُوْا شَيْئًا بَعْدَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ فَسَلُوْا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.''..... ''کہ تمہیں کلمۂ اخلاص (کلمۂ شہادت) کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دی گئی، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کیا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ خود بھی بڑی کثرت سے رب العالمین سے عافیت کی دعا مانگا کرتے تھے، احادیثِ مبارکہ میں مختلف الفاظ سے آنحضرت ﷺ سے عافیت کی دعائیں مانگنا منقول ہے، اس دعا کو آپ ہمیشہ اپنے معمولات میں شامل فرماتے تھے، چنانچہ ابوداؤد شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ صبح وشام نہایت پابندی سے ان الفاظ کے ذریعہ دعا مانگتے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِيْنِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِي.'' بہتر تو یہی ہے کہ یہ پوری دعا یاد کی جائے اور صبح وشام اس کے پڑھنے کو معمول بنایا جائے، تاہم مکمل یاد نہ ہو تو کم از کم ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.''..... ''اے اللہ! میں آپ سے دنیا وآخرت کی عافیت طلب کرتا ہوں۔'' نہایت ہی مختصر سے الفاظ ہیں، ان الفاظ کے ساتھ اس دعا کو یاد کر لینا چاہیے، اور اگر عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اُردو میں یہ دعا مانگ لیا کریں۔ یہ دعا اللہ رب العزت کو بڑی پسند ہے، بندے اپنے پروردگار سے عافیت مانگتے رہیں، اللہ تعالیٰ اس مانگنے کو سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل جانا

حضرت یوسف علیہ وعلیٰ نبینا الصلوات والتسلیمات جلیل القدر پیغمبر ہیں، ان کا طویل واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ یوسف میں ذکر فرمایا ہے، ان پر جو آزمائش آئی تھی، جس میں وہ ثابت قدم

رہے، اس کا بھی مفصل تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ زلیخا نے جب یوسف علیہ السلام کو بہلانا پھسلانا چاہا اور کہا کہ میری بات نہ مانی تو میں جیل بھجوادوں گی۔ یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر دعا کی: ''رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ.'' کہ ''اے میرے پروردگار! یہ عورتیں مجھے جس کام کی طرف دعوت دیتی ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ زیادہ پسند ہے۔'' اس آیت کے تحت بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ: بعض روایات میں ہے جب یوسف علیہ السلام قید میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی: ''يَا يُوْسُفُ أَنْتَ حَبَسْتَ نَفْسَكَ حَيْثُ قُلْتَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَلَوْ قُلْتَ الْعَافِيَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ لَعُوْفِيْتَ''..... ''اے یوسف! آپ نے قید میں اپنے آپ کو خود ڈالا ہے، کیونکہ آپ نے کہا تھا: ''اَلسِّجْنُ اَحَبُّ إِلَيَّ''..... ''میرے رب! مجھ کو جیل خانہ زیادہ پسند ہے۔'' اور اگر آپ عافیت مانگتے تو آپ کو مکمل عافیت مل جاتی۔'' اور اس آزمائش سے نجات بھی مل جاتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے دعا میں یہ کہنا کہ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ فلاں چھوٹی مصیبت میں مجھے مبتلا کردے، ایسی دعا بھی مناسب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر مصیبت اور بلاء کے وقت عافیت ہی مانگنی چاہیے۔

کثرتِ دولت سے عافیت افضل ہے

کثرتِ دولت ہر فرد کے حق میں مفید نہیں ہوتی، سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ کثرتِ دولت کے ساتھ ساتھ دین کی نعمت اور اپنا خوف بھی نصیب فرمائیں اور وہ مال کے تمام حقوق ادا کرنے والے بنیں، ورنہ تموّل یعنی دولت کی فروانی انسان کو ہزاروں فکروں اور پریشانیوں میں ڈال دیتی ہے۔ عافیت کے بغیر مال و دولت ہیچ ہیں۔ لکھنؤ کے ایک نواب کا واقعہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس نواب کا معدہ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ کوئی کھانے کی چیز معدہ ہضم نہیں کر پارہا تھا، حتیٰ کہ ململ کے کپڑے میں قیمہ رکھ کر چوسا کرتا تھا، وہ بھی ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اسی شہر کے کنارے ایک لکڑہارے (جو جنگل سے لکڑیاں جمع کرکے لاکر شہر میں فروخت کرتا ہے) کا مکان تھا، اس نواب صاحب نے ایک دن دیکھا کہ وہ لکڑہارا لکڑیاں سر پر اُٹھا کر لا رہا ہے اور گھر پہنچ کر اس نے لکڑیوں کا گٹھا سر سے اُتارا، ہاتھ منہ دھوئے اور اپنے پاس تھیلی سے دو روٹیاں نکالیں، پیاز سے کھانا کھایا اور وہیں سوگیا۔ اس نواب صاحب کو نیند بھی نہیں آتی تھی۔ لکڑہارے کی یہ صورت حال دیکھ کر نواب صاحب اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ: میں دل سے راضی ہوں اگر میری یہ حالت ہوجائے، یعنی پیاز سے ہی روٹی کھا کر میں ہضم کرسکوں اور اس طرح جلدی پُرسکون نیند مجھے مل جائے،

تو اس کے عوض میں اپنی ساری نوابی اور ساری ریاست دینے کو تیار ہوں۔ نواب کے پاس سب کچھ تھا، حتیٰ کہ ان کے کتے بھی سب کچھ کھاتے تھے، لیکن نواب صاحب اس نعمت سے محروم تھے۔

اس لیے انسان کثرتِ مال واسباب کے بجائے اپنے رب سے عافیت اور سکون مانگے، عافیت اور سکون میسر ہو تو تھوڑا بہت بھی کافی ہو جاتا ہے اور انسان کی زندگی پُرسکون گزرتی ہے، ورنہ ساری دولت کے موجود ہوتے ہوئے انسان اس سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، وہ انسان کے کسی کام کی نہیں۔ اس لیے بعض بزرگوں کا یہ قول کتابوں میں منقول ہے کہ: ''**القليل مع العافية خير من الكثير مع القوارع .**''..... ''عافیت کے ساتھ تھوڑا مال اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جو مصیبتوں کے ساتھ ہو۔'' البتہ انسان کی لالچ، طمع کے بغیر اگر اللہ تعالیٰ کچھ عطا فرما دیں تو وہ اللہ کی نعمت ہے، انسان پھر اس کا حق ادا کرے۔

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش

بہر حال! عافیت بہت بڑی دولت ہے، اس لیے صحابہ کرامؓ، اور تمام بزرگانِ دین عافیت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ابن شہاب زہریؒ - جو بڑے محدث گزرے ہیں- کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک انگوٹھی بنوا رکھی تھی اور اس انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ کروائی تھی، یعنی یہ نقش انگوٹھی میں لکھوا رکھا تھا ''**محمد يسأل اللّٰهَ العافيةَ**'' کہ ''محمد اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتا ہے۔'' ان کا نام محمد بن شہاب زہری ہے، انہوں نے یہ دعا لکھوائی ہوئی تھی کہ: ''محمد اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتا ہے۔''

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو صحت نصیب ہوتی ہے، بلاؤں، پریشانیوں اور امراض سے انسان محفوظ رہتا ہے، یہ بھی عافیت کا حصہ ہے، صحت کے زمانہ میں اس عافیت کی دولت کی قدر ہمیں نہیں ہوتی، اسی لیے عقل مندوں کا یہ قول ہے کہ: ''**العافية تاج على رؤوس الأصحاء لا يراه إلا المرضى .**'' کہ ''عافیت تو ایک تاج ہے جو تندرست لوگوں کے سروں پر سجا ہوا ہے، وہ خود تو اس تاج کو نہیں دیکھ سکتے، ہاں! جو مریض ہوں، وہ اس تاج کو تندرستوں کے سروں پر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

ایک بزرگ کا ہمہ وقت عافیت کا سوال کرنا

ایک اللہ والے کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہمیشہ یوں کہا کرتے تھے: ''(اے اللہ!) عافیت، عافیت (عطا فرما)۔'' ایک بار اُن سے پوچھا گیا: ''**ما معنى هذا الدُّعاء؟**'' اس دعا کا کیا

مطلب ہے؟ آپ ہمیشہ عافیت کی طلب میں لگے رہتے ہیں۔ وہ کہنے لگے: میں پہلے بار برداری کا کام کرتا تھا، یعنی مزدور تھا، سامان بوجھ وغیرہ اُٹھایا کرتا تھا، ایک دن میں آٹے کا بھاری بھرکم بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے تھا، جس کی وجہ سے مجھے بہت مشقت اور تکلیف ہوئی، میں نے تھک کر کچھ دیر کے لیے اس بوجھ کو رکھا، تاکہ تھوڑا دم لے لوں، اس وقت میں اللہ سے یوں دعا مانگنے لگا: ''یـــا رب! ولـو أعـطَيتَـنيْ كلّ يوم رغيفين من غير تعب لكنتُ أكتفي بِهِمَا'' ..... ''پروردگار! اگر تو مجھے روزانہ صرف دو روٹیاں بغیر محنت ومشقت کے عطا کردے تو میرے لیے کافی ہیں، میں اسی پر قناعت کیے رہوں گا۔'' اتنے میں' میں نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں، میں ان کے درمیان صلح صفائی کی غرض سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک ایک آدمی نے غلطی سے میرے سر پر کوئی چیز دے ماری، جو وہ دوسرے آدمی کو مار رہا تھا، مگر غلطی سے میرے سر پر لگ گئی، چنانچہ میرا چہرہ خون آلود ہوگیا، پولیس والا پہنچا اور اس نے ان دونوں آدمیوں کو پکڑ لیا، جب اس نے مجھے خون آلود دیکھا تو یہ سمجھا کہ میں بھی اس لڑائی میں ملوث ہوں، اس نے مجھے بھی مجرم سمجھ کر گرفتار کرلیا، چنانچہ مجھے بھی جیل پہنچا دیا۔ ایک مدت تک میں جیل میں رہا، جہاں مجھے روزانہ دو روٹیاں ملا کرتی تھیں۔ ایک رات خواب میں' میں نے ایک ہاتف غیبی (غیب سے آواز لگانے والے) کو سنا کہ وہ مجھ سے مخاطب ہوکر یہ کہہ رہا ہے: ''إنّک ســألـتَ الرّغيفين كلَّ يومٍ من غير نصب، ولَمْ تسأل العافيةَ!'' تو نے روزانہ کی دو روٹیاں بلا مشقت مانگی تھیں، عافیت نہیں مانگی تھی! تو میں نے تجھے تیرا مانگا دے دیا، یعنی اللہ سے عافیت مانگنی چاہیے تھی کہ اے اللہ! اس کام میں بہت محنت، مشقت اور تکلیف ہے، مجھے آسان ذریعۂ معاش نصیب فرما اور عافیت دے۔ اس دعا کے بجائے تو نے یہ کہا تھا کہ: ''دو روٹیاں مل جائیں'' لہٰذا دو روٹیوں کی طلب تجھے جیل تک لے آئی۔ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت ہوش آیا اور سمجھ آئی کہ مجھے عافیت مانگنی چاہیے، تو اَب میں فوراً یوں ہی کہنے لگا: عافیت، عافیت۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ جیل کا دروازہ کھٹکا اور پوچھا گیا: ''أين عمر الحمال؟'' ..... ''عمر باربردار کہاں ہے؟'' میں نے کہا: میں ہوں۔ عافیت کی دعا کے بعد مجھے جیل سے نجات اور رہائی مل گئی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے پریشانی اور مشقت کے ازالے کے لیے عافیت کی دعا مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں، مجھے عافیت نصیب فرما۔ اب عافیت میں ساری بھلائیاں اور سہولیات شامل ہوجائیں گی، لہٰذا ہم ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہیں، اپنی ذات کے لحاظ سے بھی، اپنے اہل وعیال کے لحاظ سے بھی، دنیاوی واُخروی زندگی کے لحاظ سے بھی۔

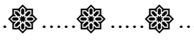

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ ....

عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مفہوم

محمد جنادہ نعمانی

اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، مگر وہ عادل، مُتقِن، متقی اور انتہا درجہ پرہیزگار ہیں۔ آسمانِ دیانت وتقویٰ کے درخشندہ ستارے ہیں۔ فسق وفجور جن کے قریب بھی نہیں پھٹکا، چنانچہ خداوندِ قدوس نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطَب کرکے فرمایا:

''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ.'' (الحجرات:۷)

''لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنادیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں کی اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے، ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔''

نیز ارشادِ باری ہے:

''أُولٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ.'' (الحجرات:۷)

ترجمہ: ''یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کرلیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔''

''علم العقائد'' کی معروف کتاب ''المسامرة شرح المسايرة'' میں ہے:

''و اعتقاد أهل السنة و الجماعة تزكية جميع الصحابة رضي اللّٰه عنهم وجوبًا بإثبات العدالة لكل منهم و الكف عن الطعن فيهم و الثناء عليهم ..... و ماجرىٰ بين علي و معاوية رضي اللّٰه عنهما ..... كان مبنياً على الاجتهاد من كل منهما

لامنازعة من معاوية رضي اللّٰه عنه في الإمامةِ.'' (المسامرۃ شرح المسایرۃ،ص:۲۶۹،۲۷۰)

ترجمہ:''اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے، اس طرح کہ ان سب کے لیے عدالت ثابت کرنا اور ان کے بارے طعن سے رُکنا اور ان کی مدح وثنا کرنا ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو کچھ معاملہ پیش آیا، یہ دونوں حضرات کے اجتہاد کی بنا پر تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکومت وامامت کا جھگڑا نہیں تھا۔''

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''**الصّحابةُ رضي اللّٰه عنهم كلُّهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به، قال تعالٰى: (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا) (البقرة:۱۴۳) الآية، أي عدولًا. وقال تعالٰى: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) (آل عمران:۱۱۰)، والخطاب فيها للموجودين حينئذ. وقال صلى اللّٰه عليه وسلم: خير النّاس قرني، رواه الشيخان. قال إمام الحرمين: والسبب في عدم الفحص عن عدالتهم: أنهم حملة الشريعة.**'' (تدریب الراوی،ص:۴۹۲،۴۹۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

''باجماعِ معتبر علماء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، مبتلائے فتن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، (دلیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا'' کہ ''ہم نے تمہیں اُمت وسط یعنی عادل بنایا۔'' نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' کہ ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔'' ان آیات میں خطاب اُس وقت موجود حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو ہے، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں بہترین میرا زمانہ ہے۔ امام الحرمین نے فرمایا کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت سے بحث وجستجو نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاملینِ شریعت وناقلینِ شریعت ہیں۔''

مشہور حنفی محقق ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''**ذهب جمهور العلماء إلٰى أن الصحابةَ رضي اللّٰه عنهم كلُّهم عدول قبل فتنة عثمانؓ و عليؓ وكذا بعدها ولقوله عليه الصلاة والسلام: "أصحابي كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم.**'' (شرح الفقہ الأکبر لملا علی القاریؒ،ص:۶۳)

ترجمہ:''جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل (پاکباز، متقی) ہیں، حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں وقوع پذیر فتنوں سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس

کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔''

علاّمہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قال ابن الصلاح والنووي الصحابةؓ كلهم عدول وكان للنبي صلى الله عليه وسلم مائة ألف وأربعة عشر ألف صحابي عند موته صلى الله عليه وسلم، والقرآن والأخبار مصرّحان بعدالتهم وجلالتهم ولما جرى بينهم محامل.''

(الصواعق المحرقۃ علی أہل الرفض والضلال والزندقۃ، ج:۲،ص:۶۴۰،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

''ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل و متقی تھے، نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ تھے، قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وتقویٰ اور جلالتِ شان کی صراحت و وضاحت کر رہے ہیں، اور ان کے باہمی مشاجرات ومعاملات کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔''

اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کا بجا طور پر موقف یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں عادل و پاکباز ہیں، بلکہ تمام معاملاتِ زندگی اور اعمالِ حیات میں بھی عادل و متقی اور پرہیزگار رہیں، تاہم معصوم نہیں ہیں کہ ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ عن الخطا ہیں، یعنی یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خطا ومعصیت کا صدور ہونے نہیں دیتے، اور اگر کسی ایزدی حکمت وربانی مصلحت کی بنا پر کسی معصیت وگناہ کا صدور ہو تو خداوندِ قدوس صحابیؓ کی زندگی میں ہی اس کا ازالہ وتدارک کروا دیتے ہیں کہ صحابیؓ جب دنیا سے جاتا ہے تو بموجبِ وعدۂ خداوندی ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' جنتی بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے، اس لیے ''الصّحابةؓ كُلُّهم عدول'' کا یہ مطلب لینا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مانند معصوم ہیں، نادرست اور غلط ہے، عصمت' خاصۂ انبیاء ہے، تاہم دوسری طرف یہ کہنا کہ صحابیؓ عام زندگی میں اس مفہوم میں بھی عادل نہیں ہوتا جو اہل السنۃ کے ہاں متفق علیہ ومسلّم ہے، تصریحاتِ اہل السنۃ وتشریحاتِ اکابر علماءِ دیوبند کے مطابق وموافق نہیں ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ صحابیؓ فاسق ہوسکتا ہے، کیونکہ عدالت اور فسق میں تباین وتضاد ہے، عادل ہے تو فاسق نہیں، فاسق ہے تو عادل نہیں، اور عادل نہیں تو فاسق ہے۔

مگر بہت سے گم راہ نظریات رکھنے والے لوگوں کا نظریہ اور اعتقاد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث میں تو عادل ہیں، مگر دیگر احوالِ زندگی میں عادل اور متقی نہیں ہیں۔ درحقیقت اس

اعتراض اور نقطۂ نظر کا مبدأ اور منشأ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر عادل اور فاسق و فاجر اور باغی و طاغی تک قرار دینا ہے، اسی ضرورت سے یہ نظریہ ایجاد کرنا پڑا۔

چنانچہ مودودی صاحب اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں لکھتے ہیں:

''میں ''الصَّحابۃ کلُّھم عدول '' (صحابہؓ سب راست باز ہیں) کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا، اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابیؓ نے کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے۔''

(خلافت وملوکیت، ص:۳۰۳، ط: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۱۹ء)

موجودہ دور میں بھی بعض ایسے نظریاتِ فاسدہ وخیالاتِ کاسدہ کے حامل لوگ پیدا ہو چکے ہیں۔اس نظریہ کا علماءِ امت نے ابطال اور رَد فرمایا ہے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب' مودودی صاحب کے اس موقف کا ردِ بلیغ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر اس کتاب (خلافت وملوکیت) کے ان مندرجات کو درست مان لیا جائے جو خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں تو اس سے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ بنیادی عقیدہ مجروح ہوتا ہے جو اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جسے مولانا مودودی صاحب بھی اصولی طور پر درست مانتے ہیں۔.....مولانا نے ''الصحابۃ کلھم عدول '' (تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں) کو اصولی طور پر اپنا عقیدہ قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ اس عقیدے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ روایتِ حدیث میں انہوں نے پوری دیانت اور ذمہ داری سے کام لیا ہے۔......لیکن اس گفتگو میں مولانا نے اس بحث کو صاف نہیں فرمایا، عقلی طور پر عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین مفہوم ہوسکتے ہیں:

۱:.....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم اور غلطیوں سے بالکل پاک ہیں۔

۲:.....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی عملی زندگی میں (معاذ اللہ) فاسق ہوسکتے ہیں، لیکن روایتِ حدیث کے معاملے میں بالکل عادل ہیں۔

۳:.....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت ''دو ایک یا چند'' غلطیاں سرزد ہوگئی ہوں، لیکن تنبُّہ کے بعد

انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، اس لیے وہ ان غلطیوں کی بنا پر فاسق نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابیؓ نے گناہوں کو اپنی ''پالیسی'' بنالیا ہو، جس کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جاسکے۔..... پہلے مفہوم کو تو انہوں نے صراحتاً غلط کہا ہے اور جمہور اہل سنت بھی اسے غلط کہتے ہیں۔ اب آخری دو مفہوم رہ جاتے ہیں، مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی کہ ان میں سے کون سا مفہوم وہ درست سمجھتے ہیں۔ مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی کہ ان میں سے کون سا مفہوم درست ہے؟ اگر ان کی مراد دوسرا مفہوم ہے، یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف روایتِ حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ معاذ اللہ! فاسق و فاجر بھی ہوسکتے ہیں، تو یہ بات نا قابلِ بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے. اس لیے کہ اگر کسی صحابیؓ کو فاسق و فاجر مان لیا جائے تو آخر روایتِ حدیث کے معاملہ میں اسے فرشتہ تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جو شخص اپنے ذاتی مفاد کے لیے جھوٹ، فریب، رشوت، خیانت اور غداری کا مرتکب ہوسکتا ہے، وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟۔..... اسی لیے تمام محدثین اس اُصول کو مانتے ہیں کہ جو شخص فاسق و فاجر ہو اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔ ورنہ اگر روایات کو مسترد کرنے کے لیے یہ شرط لگا دی جائے کہ راوی کا ہر ہر روایت میں جھوٹ بولنا ثابت ہو تو شاید کوئی بھی روایت موضوع ثابت نہیں ہو سکے گی اور حدیث کے تمام راوی معتبر اور مستند ہو جائیں گے، خواہ وہ عملی زندگی میں کتنے ہی فاسق و فاجر ہوں۔ اور اگر مولانا مودودی صاحب عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیسرے مفہوم میں درست سمجھتے ہیں، جیسا کہ اوپر نقل کی ہوئی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے، سو یہ مفہوم جمہور اہل سنت کے نزدیک درست ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انہوں نے جو اعتراضات اپنی کتاب میں کیے ہیں، اگر اُن کو درست مان لیا جائے تو عدالت کا یہ مفہوم ان پر صادق نہیں آسکتا۔

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص: ۱۳۹ تا ۱۴۲، ط: معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۶ء)

یہی بحث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے دوسرے باب، صفحہ: ۲۵۴ پر بھی کی ہے۔ مولانا محمد ثاقب رسالپوری اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دراصل مولانا مودودی صاحب نے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث کی حد تک تو عادل ہو سکتے ہیں، لیکن زندگی

کے تمام معاملات میں ان سے بعض کام عدالت کے منافی صادر ہو سکتے ہیں۔''

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات، ص۱۶۳، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اور بعض علماء نے جو عدمِ عصمت اور عمومِ عدالت کے تضاد سے بچنے کے لیے ''عدالت'' کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں ''عدالت'' سے مراد تمام اوصاف واعمال کی عدالت نہیں، بلکہ روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت وشرع پر ایک زیادتی ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' (مقامِ صحابہؓ، ص:۶۰)

محققِ اہل السنۃ مولانا مہر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میانوالی) لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا استثناء، دروغ گوئی خصوصاً کذب فی الروایۃ سے پاک وصاف تھے اور کسی سے بھی کذب کا صدور نہیں ہوا اور بایں معنی عادل ہونا بھی ان کی منقبت کی واضح دلیل ہے، لیکن عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف اس معنی میں منحصر کرنا اور اسے محدثین کی مراد بتانا ناقابلِ تسلیم اور لائقِ مناقشہ ہے، کیونکہ بعض محدثین نے عدالت کی تفسیر میں جھوٹ سے بچنا لکھا ہے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان محدثین کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم روایت میں عمداً کذب بیانی کے سوا باقی سب اُمور اور شعبہ ہائے حیات میں غیر عادل حتیٰ کہ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں تک کا ارتکاب کرتے تھے، جیسے صاحبِ ''خلافت وملوکیت'' اور ان کے حواریوں کا خیال ہے، بلکہ جھوٹ سے بچنے کی تصریح کا مطلب یہ ہے کہ بایں معنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اتنی قطعی اور اٹل ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی گناہوں سے عصمت کہ اس میں استثناء یا شذوذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ کسی عالم نے آج تک یہ لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ بولتے تھے، بخلاف چند اور گناہوں کے کہ چند حضرات کی ان سے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فرد انبیاء علیہم السلام کی طرح قطعی معصوم نہیں کہ صدورِ معصیت محال ہی ہو، ہم نے اپنی کتاب میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔.....عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم صرف روایت عن الرسول میں منحصر نہیں، بلکہ ان کی سیرت کے ہر پہلو میں عام ہے۔.....محدثین جو عام رُواۃ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں تو یہ اس کی پوری سیرت کی پاکیزگی پر شہادت ہوتی ہے کہ وہ

کبائر سے مجتنب اور صغائر پر غیر مصر ہیں، پھر اسی بحث میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے ہیں: ''**الصّحابةُ كُلُّهم عدول**'' کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں، تو اب اس عدالت کو تجنُّب عن الکذب میں مخصوص نہیں کیا جائے گا، ورنہ لازم آئے گا کہ غیر صحابیؓ کی عدالت صحابیؓ سے افضل ہو، **وھو باطل**۔ ....علماءِ اصولِ حدیث اور محدثین ''**کُلُّهم عدول**'' کی دلیل ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ فرماتے ہیں: ''**زَكّاهم و عدّلاهم**'' کیونکہ خدا اور رسول ﷺ نے ان کا تزکیہ کیا ہے، اور ان کو عادل قرار دیا ہے۔ خدا اور رسول کا یہ تزکیہ اور تعدیل صرف کذب سے اجتناب میں نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دیگر گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، بلکہ یہ مجموعی طور پر ان کے اعمال و اخلاق کی عیوب سے طہارت اور آلودگیوں سے اجتناب پر شہادت ہے، تو معلوم ہوا محدثین کے نزدیک بھی عدالت میں تعمیم ہے۔ .... بہرحال! تزکیہ، نزاہت، قصدِ معصیت سے تبریہ ان کی شان کی گناہوں سے بلندی جیسے واضح الفاظ ہمارے مؤید ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت عام ہے، اور وہ بالعموم سب گناہوں اور معاصی سے محفوظ ہیں، ایسی صراحتوں کے باوجود کیا اب بھی محدثین پر یہ اتہام لگایا جائے گا کہ ان کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم تعمدِ کذب فی الروایۃ تک عادل تھے، باقی ہر قسم کے کبائر اور معاصی کرتے تھے، اور ذنوب ان سے معدوم نہیں ہوئے تھے؟!۔'' (عدالتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ص: ۷۰تا ۷۵، طبع ہفتم)

یہ ایک بالکل بدیہی اور سادہ سی بات ہے، اگر یہ موقف تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام زندگی میں عادل نہیں، صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں، اور ان کی قبولِ روایت کے لیے عام زندگی میں عدالت ضروری نہیں تو اس سے نہ صرف یہ اصولِ حدیث میں برائے قبولِ روایت عدالت کی شرط ایک مذاق اور مضحکہ خیز قاعدہ بن کر رہ جائے گا، بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر رواۃ تو عام معاملاتِ حیات میں بھی عادل ہوں اور صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ! عادل نہ ہو، جیسا کہ حضرت مولانا مہر محمد صاحب میانوالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی ایسی باتوں کی نسبت کی ہے، جس کے جواب میں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے (مقامِ صحابہؓ، ص: ۶۰، ۶۱ میں) یہ تصریح فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاً: شاہ صاحب کی طرف ان عبارات کی نسبت مشکوک ہے۔ ثانیاً: اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات ہیں تو خلافِ جمہور

ہونے کی وجہ سے متروک ومردود ہیں۔ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت وتقویٰ پر علماءِ امت کی تصریحات موجود ہیں، ''مشتے نمونہ از خروارے'' درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت پر مہرِ اثبات ثبت کرتے ہوئے میں فرماتے ہیں:

''وأما معاوية رضي اللّٰه عنه فهو من العَدُول الفضلاء والصَّحابة النُّجباء رضي اللّٰه عنه وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها وكلهم عدول رضي اللّٰه عنهم ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلک أحدا منهم عن العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذلک نقص أحد منهم ..... فكلهم معذورون رضي اللّٰه عنهم ولهٰذا اتفق أهل الحق ومن يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي اللّٰه عنهم أجمعين.'' (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۱۵/ ۱۴۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: ''بہرحال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ عادل، صاحبِ فضیلت اور معزز صحابی ہیں، جہاں تک ان محاربات ومشاجرات کا تعلق ہے جو اُن حضرات کے مابین پیش آئے تو وہاں ہر ایک کو کوئی اشتباہ والتباس تھا، جس کی وجہ سے ہر ایک نے خود کو درست سمجھا، جبکہ وہ سب کے سب عادل ہیں، اور ان کے مخاصمات وباہمی منازعات میں ان کے پاس تاویل موجود ہے، ایسے کسی معاملہ نے انہیں عدالت سے نہیں نکالا، کیونکہ وہ مجتہد تھے، (جس کا نتیجہ یہ ہے کہ) محلِ اجتہاد میں کچھ مسائل میں ان کا اختلاف ہوگیا، جیسا کہ ان کے بعد بھی مختلف مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا رہتا ہے، اس سے ان میں سے کسی کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی.....لہٰذا یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معذور ہیں اور اسی وجہ سے اہلِ حق اور ان لوگوں کا کہ اجماع کے باب میں جو لائقِ اعتبار وقابلِ شمار ہے، کا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہیوں اور روایات کے قبول ہونے نیز کمالِ عدالت وتقویٰ پر اتفاق اور اجماع ہے۔''

لہٰذا حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں بلکہ تمام امورِ حیات ومعاملاتِ زندگی، احوال وآثار اور اوصاف وخصائل میں عادل اور متقی وپرہیزگار ہیں۔ یہ نظریہ کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں'' خلافِ اہل السنۃ والجماعۃ باطل اور غلط ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

(چوتھی اور آخری قسط)

مولانا محمد طفیل کوہاٹی
مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ

اصلاحِ معاشرہ میں نظامِ وقف کا کردار

معاشرے میں انفاق کے ذریعے اصلاح کا چھٹا طریقہ ''وقف'' ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس کے اجراء اور توسیع کی کافی ترغیب دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی تو آپؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مجھے خیبر میں زمین ملی ہے اور مجھے کبھی اس سے عمدہ مال نہیں ملا ہے، آپ مجھے (اس کے بارے میں) کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اس کے فوائد صدقہ کر دو، اس طرح کہ اصل کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین فقراء، رشتہ داروں، غلاموں کی آزادی اور ابنِ سبیل (مسافروں) کی مہمان نوازی کے لیے وقف کر دی۔ (مسلم: ۱۶۳۲)

اس سے فقہائے کرام نے وقف کی یہ تعریف مستنبط فرمائی کہ وقف کسی چیز کو خدا کی ملکیت میں کر دینا ہے، تاکہ اس سے بندوں کو منفعت پہنچے، پس وہ چیز واقف کی ملک میں نہیں رہتی، بلکہ خدا کی ملک ہو جاتی ہے، نہ اس کی بیع درست ہے، نہ ہبہ، نہ رہن اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کو اپنے عمل سے استحکام بخشا اور اپنی وسیع جائیدادیں، اموال اور کنویں عام لوگوں کے نفع کے لیے وقف کیے، جس نے معاشرے کی مالی اصلاح میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جس طرح مادی فوائد کی اشیاء کو وقف کرنا درست ہے، اسی طرح علمی فوائد مثلاً اسکول و مدارس کی تعمیر یا کتابیں وغیرہ وقف کرنا بھی باعثِ اجر اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کا باعث بنتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ وقف، فقراء، رشتہ داروں، قیدیوں کی آزادی، ابنِ سبیل وغیرہ کے ساتھ مخصوص ہو، بلکہ ہر کارِ خیر کے لیے وقف ہو سکتا ہے، مثلاً: ملک کے حفاظتی کاموں، مساجد و مدارس، قبرستان، سڑکوں اور پلوں کی

تعمیر وغیرہ۔ الغرض اسلام کے نقطۂ نظر سے یہ ایک وسیع ترین مالی مد ہے، جس سے کام لے کر معاشرے میں مالی فساد و بگاڑ اور معاشی خرابیوں و ناہمواریوں کا بڑی حد تک ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

ہبہ و ہدیہ اور اصلاحِ معاشرہ میں اس کا کردار

انفاق کے ذریعے معاشرے کی مالی اصلاح کا ساتواں طریقہ ''ہبہ اور ہدیہ'' ہے۔ ہبہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اس طرح چیز کا مالک بنانا کہ نہ عوض مطلوب ہو اور نہ کوئی اور غرض ہو۔ ہبہ اور ہدیہ میں یہی فرق ہے کہ ہدیہ سے مقصود ثواب کے ساتھ ساتھ قربت و مودت (محبت) میں اضافہ کرنا ہوتا ہے اور ہبہ میں کوئی غرض بجز ثواب کے پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ اسلامی لٹریچر میں ہمیں ہبہ کی ترغیب اور احکام تفصیل سے ملتے ہیں کہ کسی کو اس کی ضرورت کے پیشِ نظر کوئی شے ہبہ کر دی جائے اور وہ اس سے اپنی معاشی اصلاح میں کام لے یا کسی اور ضرورت میں صرف کر دے۔ اس طریقہ سے معاشرے میں غربت کا بڑی حد تک انسداد ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات غرباء و فقراء کو کسبِ حلال کے معمولی ذرائع بھی میسر نہیں ہوتے، اگر انہیں محنت و مزدوری اور صنعت و پیشہ کے معمولی اوزار و آلات بھی مہیا کر دیئے جائیں تو وہ معاشرے پر بوجھ بننے کی بجائے اپنی معاشی کفالت بخوبی کر سکتے ہیں۔ مال دار طبقہ انفرادی و اجتماعی سطح پر اسلام کے اس سنہرے طریق کو کام میں لا کر بڑی حد تک معاشی اصلاحات کا بیڑا اُٹھا سکتا ہے۔ ہبہ سے قریب تر ایک اصطلاح ''منیحہ'' کا ذکر بھی اسلامی لٹریچر میں موجود ہے۔ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تعاونِ باہمی کے تحت دودھ کا جانور دوسرے مسلمان بھائی کو مفت دے دیا جاتا، تاکہ اس سے اپنی کفالت کر سکے اور دودھ کے انقطاع (ختم ہونے) پر واپس کر دیا جاتا، یعنی یہاں جانور کے بعض منافع بطورِ ہدیہ دیئے جاتے۔ تکافلِ باہمی میں اس سے ہبہ کے کردار کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

عاریت اور اصلاحِ معاشرہ میں اس کا کردار

اسلام نے معاشرے میں ایک دوسرے کی معاشی خبر گیری کے لیے آٹھواں طریقہ ''ماعون یا عاریت'' کا ذکر کیا ہے۔ عاریت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو گھریلو یا عام افادیت کی حامل کوئی چیز محض اس کے نفع کے حصول کے لیے دی جائے، وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے اور پھر مالک کو واپس لوٹا دے۔ ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ضرورت کے وقت عام افادیت کی چیزیں دینا فرض ہے اور نہ دینے والا مذموم حرکت کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہیے۔ (احکام القرآن، جصاصؒ)

اسلام میں عاریت کا قانون فقر و غنیٰ میں محدود نہیں۔ اس سلسلے میں شریعت نے کسی ایک گروہ کو ترجیح نہیں دی اور نہ ہی کسی کا خاص لحاظ کیا ہے، بلکہ ایک مقصد کے لیے متحد ہو جانے والے پورے

معاشرے کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس طریق کو کام میں لا کر معاشرے کے بہت سارے حاجت مند افراد کی بعض معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کیا جا سکتا ہے۔

معاشرتی اصلاح میں صدقاتِ نافلہ کا حصہ

معاشرے کی معاشی و اخلاقی اصلاح میں انفاق کا سب سے وسیع الجہات اور مؤثر ترین طریقہ ''صدقاتِ نافلہ'' کے ذریعے حاجت روائی اور خبر گیری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اپنے ہاں ضابطہ جاتی معاوضہ ایک کے بدلے سات سو بیان کیا ہے اور اخلاص کے کمال، قوت اور بڑھوتری پر مزید اضافے کا اعلان فرمایا ہے۔ ماقبل میں بیان کیے گئے انفاق کے بعض طریقے بھی صدقہ ہی کے ذیل میں آتے ہیں، لیکن اس عنوان سے اس کو مستقل اہمیت دے کر ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اسلامی مصطلحات میں آج اس کا اصلی معنی فراموش کر لیا گیا ہے اور لفظِ ''صدقہ'' احسان اور بخشش کا ہم معنی بن گیا ہے۔ عوام کی نظر میں صدقہ کرنے والا احسان و بخشش کرنے والا ہے، اس لیے وہ قابلِ ستائش ہے، جبکہ صدقہ قبول کرنے والا دوسرے کے احسان کا بار اُٹھا رہا ہے، اس لیے یہ تقاضا غیرت کے خلاف ہے۔ صدقہ کا یہ تصور اسلامی مزاج کے بالکلیہ خلاف اور معاشی اصلاحات کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ اسلام نے صدقہ میں احسان جتلانے کی اس آمیزش کو ''رِئَاءَ النَّاسِ'' اور ''مَنّ وأذیٰ'' کا عنوان دے کر گھٹیا حرکت کے طور پر متعارف کروایا ہے، یعنی جو آدمی صدقہ دے کر صدقہ وصول کرنے والے پر جتائے، اسے تکلیف دے تو ایسے شخص کو ایمانی بصیرت سے تہی دامن سمجھا ہے۔

صدقاتِ نافلہ کے طریق سے معاشرے میں وسیع تر رفاہیانہ سرگرمیوں کی تشکیل اس طور پر کی جا سکتی ہے کہ نجی یا اجتماعی سطح پر زائد از ضرورت مال و دولت کو معاشرے کی معاشی ترجیحات معلوم کر کے خرچ کرنے کی منظم منصوبہ بندی کی جائے۔ اس کے لیے موجودہ دور میں بے روزگاری ختم کرنے کے منصوبے، صحت کی سہولیات بہم پہنچانے کے واسطے فری ڈسپنسریوں اور ہسپتالوں کا قیام، معذور اور مکمل تہی دست افراد کے لیے مستقل بنیادوں پر غذائی بندوبست، بے گھر اور حوادث سے متاثرہ افراد کے لیے رہائشی ضروریات کی فراہمی، ناخواندہ اور دیہی علاقوں میں دینی اور عصری تعلیمی منصوبوں کا اجراء اور زندگی کی بنیادی ضروریات یعنی لباس و پوشاک وغیرہ مہیا کرنے کی ترتیبات صدقاتِ نافلہ کے ترجیحی اور اہم مصارف ہو سکتے ہیں۔ گو ان کاموں کے لیے معاشرے میں کئی این جی اوز سرگرم ہیں اور انفاق کی مدات سے کام لے رہی ہیں، لیکن انفاق کے اسلامی فلسفہ اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر اسلامی نظریۂ حیات سے ہم آہنگ طریق کے موافق اس کے اجراء کی ضرورت ہے، تاکہ یہ سلسلہ مزید مستحکم ہو

اور اس کے نتائج وثمرات سے معاشرہ پوری طرح بہرہ ور ہو، وطنِ خداداد کی حد تک ہمارے اربابِ مال کو یہ منصوبہ مدِنظر رکھ کر منظّم خطوط پر آگے بڑھنا چاہیے، تاکہ طُرُقِ انفاق سے معاشرے کی اصلاح وتعمیر کا زیادہ سے زیادہ کام لیا جاسکے۔

قرضِ حسنہ اور معاشرے کی معاشی اصلاح

اسلام کے نظامِ انفاق کی ایک اور شق اور دسواں طریقہ ''قرضِ حسنہ'' ہے۔ باہمی حسنِ سلوک اور ہمدردی کی بنیاد پر بغیر کسی نفع کے اپنا مال کچھ مدت کے لیے کسی کو دینا، تاکہ وہ اپنی ضرورت سے سبک دوش ہو، انسانیت پر اسلام کا احسان ہے۔ آج سود کی لعنت نے اس اہم اسلامی حکم کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس سے معاشرے میں استحصالی رویّے پروان چڑھے ہیں اور افراد سے لے کر ملکوں تک اس گرداب میں سسک رہے ہیں۔ اسلام نے قرض خواہ کو ترغیب دی ہے کہ قرض کی وصولیابی میں قرض دار کی معاشی پوزیشن پیشِ نظر رکھے اور اسے مہلت دے، تاکہ وہ تکمیلِ ضرورت کے بعد اپنی معاشی حالت سدھار لے۔ اس سے معاشی استحکام میں قرضِ حسنہ کے کردار پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے کام لینے میں اسلام کی ترغیب اور دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ موجودہ دور میں اگر قرضِ حسنہ کو نجی واجتماعی سطح پر رواج دیا جائے تو معاشرے میں بے روزگار افراد کی ایک بڑی تعداد کو روزگار کی فراہمی اور معاشرتی اصلاح میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ انفاق کے دس طریقوں کا ایک مختصر سا جائزہ تھا۔ ان طریقوں کے اجراء سے بنیادی فائدہ تو یہ ہوگا کہ بخل وشح، اسراف وتبذیر اور ان کی کوکھ سے جنم لینے والے مہلک عناصر اور فسادات کا انسداد ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کی معیشت کا ایجابی رُخ بھی سنور سکے گا۔

یہاں یہ بات خصوصیت اور توجہ کے ساتھ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان مادی اثرات ونتائج سے بالاتر ہوکر انفاق کے حکم کو پورا کرنا مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے اور ہمیشہ اسی پہلو کو مقدم رکھنا اس کا فریضہ ہے۔ جہاں تک معاشرے پر پڑنے والے اس کے مادی اور معاشی اثرات کا تعلق ہے۔ یہ اِنفاق کی خصوصیات ہیں، جب اِنفاق کو وجود ملے گا تو ضمناً یہ خصوصیات واثرات خود وجود میں آئیں گی۔ آج مادیت کے تباہ کن اثرات، غربت، گداگری، مہنگائی، بدامنی اور حرام خوری سے بچاؤ کا واحد راستہ یہی ہے کہ ایسی علمی مجالس کے ذریعے عوام کی تربیت اور اس حوالے سے شعوری لٹریچر کی تیاری اور اشاعت کی طرف اہلِ علم متوجہ ہوں، تاکہ اسلام کے ان سنہرے اصولوں سے کام لے کر معاشرہ کی تعمیر وترقی کا فریضہ بخوبی انجام دیا جاسکے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ

ایک مردم ساز شخصیت.....لاثانی مدرّس.....یکتا مصنّف

مفتی عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند، انڈیا
حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

(اقبالؒ)

بروز منگل ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء صبح ساڑھے چھ بجے (بہ وقتِ ہندوستان)، محدّثِ جلیل، مفسّرِ نبیل، فقیہِ ممتاز، عالمِ ربانی، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کا مستند شارح اور مسلکِ دارالعلوم دیوبند کا صحیح ترجمان، حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ شیخ الحدیث وصدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند نے ممبئی شہر کے ایک ہسپتال میں تقریباً اسی سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کی خبر نے صرف برِّصغیر ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں آپ کے پھیلے ہوئے بے شمار شاگردوں، متعلقین، محبین اور آپ سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کرنے والوں کو تڑپا دیا، جنہوں نے اپنے غمگین اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ماہِ مبارک کے آخری بابرکت عشرے میں حضرت مفتی صاحب قُدّس سرُّہ کے لیے خوب ایصالِ ثواب کیا اور مغفرت ورفعِ درجات کی دعائیں کیں، اور ساتھ ساتھ انہوں نے حضرت قُدّس سرُّہ کے پسماندگان اور دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی پیدائش خود اُن کے اندازے کے مطابق ۱۹۴۰ء مطابق ۱۳۶۰ھ کو ہوئی ہے، جس کی صراحت انہوں نے ''ہدایت القرآن'' جلد ششم کی ابتداء میں ''احوالِ واقعی'' کے عنوان کے تحت فرمائی ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں اور متوسط درجات کی تعلیم ''مظاہرِ علوم'' سہارنپور میں حاصل کی، اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۸۰ھ کو ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیا، جہاں ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء کو آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کرتے ہوئے سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دورانِ تعلیم آپ کو اپنے تمام اساتذۂ کرام اور بالخصوص حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاوی صاحب قُدّس سرُّہ صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند کی خصوصی توجہ وشفقت حاصل رہی۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تکمیلِ افتاء میں داخلہ لیا اور فتویٰ نویسی میں اتنی مہارت حاصل کرلی کہ دارالافتاء کے ذمہ داران نے تحریری طور پر آپ کی تقرّری کی سفارش کی۔ اُدھر آپ کے محترم استاذ ومربی حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاویؒ صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند کی بھی یہی خواہش تھی کہ آپ کا تقرُّر دارالعلوم دیوبند ہی میں ہو، لیکن تقدیرِ خداوندی کچھ اور تھی اور آپ کا تقرُّر دارالعلوم میں اس وقت نہ ہوسکا۔ اس موقع پر آپ کے محترم استاذ حضرت علاّمہ بلیاویؒ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے ایک مختصر اور پُراثر جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! گھبراؤ نہیں، اس سے اچھے آؤ گے۔'' اور آپ کو اپنی دعاؤں اور نصیحتوں سے نوازتے ہوئے ''دارالعلوم اشرفیہ راندیر-سورت'' جانے کا مشورہ دیا، جہاں درجہ عُلیا کے مدرّس کی حیثیت سے ۱۳۸۴ھ کو آپ کا تقرُّر عمل میں آیا۔

''دارالعلوم اشرفیہ'' میں آپ نے نو سال تک خدمت کی۔ ان نو سالوں میں اپنی خداداد ذہانت، عزم وہمّت، مسلسل محنت اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق سے ایک طرف تو نہایت کامیابی کے ساتھ مختلف فنون اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے اور دوسری طرف تصنیف وتالیف اور مضمون نویسی کا مشغلہ بھی جاری رکھا اور ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا، علمی حلقوں میں آپ کی شہرت اور طلبہ میں آپ کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔

آپ کی مقبولیت اور مختلف صلاحیتوں کے پیشِ نظر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق رکنِ مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی تحریک پر ۱۳۹۳ھ کو آپ کا تقرّر اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، جہاں آپ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے کا بھرپور موقع ملا اور آپ کے استاذِ محترم ومربی حضرت مولانا علاّمہ محمد ابراہیم بلیاویؒ (متوفّٰی: ۱۳۸۷ھ) کا اگرچہ اس وقت انتقال ہوگیا تھا،

تاہم ان کا مذکورہ بالا جملہ ''مولوی صاحب! گھبراؤ نہیں، اس سے اچھے آؤ گے۔'' پورے نو سال کے بعد ہو بہو ثابت ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اُس وقت سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جو اَڑتالیس سال کا عرصہ ہے، اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے منسلک رہے، جہاں آپ نے نصاب کے اندر شامل' فقہ، اُصولِ فقہ، منطق، فلسفہ، عقائد، مناظرہ، ادب، میراث، تفسیر، اُصولِ تفسیر، حدیث اور اُصولِ حدیث کی مختلف کتابیں نہایت کامیابی کے ساتھ پڑھائیں اور طلبہ میں آپ کی مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی کہ جس کتاب کا سبق آپ سے متعلق ہوجاتا، اس کتاب کے طلبہ بے حد مطمئن ہوکر اپنے آپ کو سعادت مند تصوُّر کرتے۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں بھی تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا مشغلہ جاری رکھا۔ دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے میں بنیادی اور محنت طلب کتابوں کی تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا مشغلہ جاری رکھنا اگرچہ کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن عزم وہمت کے اس پیکرِ مجسَّم نے مختصر عرصے میں تدریس کے ساتھ ساتھ اسلامی کتب خانے کو اپنی ایسی ضخیم اور تحقیقی تصانیف سے معمور کردیا، جن سے علم وتحقیق کے میدان سے وابستہ حضرات حیرت زدہ ہوکر رہ گئے، چنانچہ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم المثال تصنیف ''**حجة الله البالغة**'' کی ایک محقّق ومفصّل شرح کی ضرورت ہمارے اکابرین کے دور سے محسوس کی جارہی تھی، تاہم اس اہم تحقیقی کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ ہی کو منتخب فرمایا اور آپ نے پانچ ضخیم جلدوں میں ''**رحمة الله الواسعة**'' کے نام سے اس کی شرح لکھی، جسے علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی۔

''**رحمة الله الواسعة شرح حجة الله البالغة**'' کی اہمیت کو دیکھ کر دارالعلوم دیوبند کی مؤقّر مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۱۳/۱۴/صفر ۱۴۲۵ھ نے ایک تحریری تجویز پاس کی، جس میں حضرت مفتی صاحبؒ کے اس علمی کارنامے کو پوری جماعت کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کرنے کے مرادف قرار دیتے ہوئے آپ کو مبارکباد پیش کی گئی ہے۔ احقر کے ناقص علم کے مطابق اس سے قبل کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے کسی کتاب سے متعلق تحریری تجویز پاس کی ہو، جس میں مصنف کو ان کی تصنیف پر مبارکباد پیش کی گئی ہو، واللہ اعلم۔

''**رحمة الله الواسعة**'' کے علاوہ آپ نے آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ترمذی شریف کی شرح ''**تحفة الألمعي شرح سنن الترمذي**'' کے نام سے، بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل بخاری شریف کی شرح ''**تحفة القاري شرح صحيح البخاري**'' کے نام سے اور آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل قرآن کریم کی تفسیر ''ہدایت القرآن'' کے نام سے تحریر فرما کر یہ ثابت کردیا کہ آج کے پُرآشوب وپُرفتن

دور میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علّامہ جلال الدین سیوطیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے مصنفین کے نقشِ قدم پر چلنے والے اور اپنے آپ کو علمی وتحقیقی کاموں کے لیے وقف کرنے والے افراد موجود ہیں۔

متعدّد ضخیم جلدوں پر مشتمل مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں ایک کارنامہ یہ بھی انجام دیا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مایۂ ناز تفسیر ''بیان القرآن'' کے تسہیل نگار حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی صاحب زید مجدہم کی خواہش اور حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلّہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مشورے سے تسہیل کا مسوّدہ آپ ہی کے حوالے کیا گیا، جس پر آپ نے شروع سے آخر تک نظرِ ثانی فرما کر اس میں مفید ترمیمات واضافے کردیئے اور پانچ جلدوں میں ''آسان بیان القرآن'' کے نام سے شائع فرمادیا، جس سے ''بیان القرآن'' کا سمجھنا آسان ہوگیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ بالا تصانیف کے ساتھ ساتھ مختلف علمی موضوعات سے متعلق دیگر تصانیف بھی تحریر فرمائی ہیں، جن کی مجموعی تعداد مذکورہ بالا تصانیف کے ساتھ ملاکر چھیالیس بنتی ہے اور ہر ایک کتاب اپنی جگہ پر اہمیّت رکھتی ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کتابیں تو دارالعلوم دیوبند اور ہندوستان کے بعض دیگر مدارس اور اسی طرح ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے نصابِ تعلیم میں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ آپ کے ہونہار صاحبزادے جناب مولانا احمد سعید صاحب پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند زید مجدہم کے ایک مراسلہ کے مطابق حضرت مفتی صاحبؒ کی کل تصانیف کے مجموعی صفحات کی تعداد تینتیس ہزار چھ سو چوراسی (۳۳۶۸۴) تک جا پہنچتی ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی مختلف صلاحیتوں، طلبہ میں بے پناہ مقبولیت، علمی حلقوں میں محبوبیت اور آپ کی تقویٰ وطہارت کے پیشِ نظر دارالعلوم دیوبند کی مؤقر وبااختیار مجلسِ شوریٰ نے ۱۴۲۹ھ کو جب حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحب قُدّس سرُّہ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند نے بوجہ علالت وپیرانہ سالی دارالعلوم کی خدمت سے ازخود سبکدوشی کی درخواست کی، شیخ الحدیث وصدر المدرّسین کے اعلیٰ علمی منصب کے لیے آپ ہی کا انتخاب فرمایا، جس پر آپ اپنی وفات ۱۴۴۱ھ تک فائز رہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مفتی صاحبؒ کی چند خصوصیات

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدّس سرُّہ سے احقر کا تعلق رواں صدی ہجری کے پہلے سال ۱۴۰۱ھ سے لے کر آپ کے وصال ۱۴۴۱ھ تک پورے چالیس سال پر محیط رہا ہے، شروع کے گیارہ سال کا عرصہ تو وہ ہے جس میں احقر طالب علم اور پھر مدرس اور مسجدِ قدیم دارالعلوم دیوبند کے امام وخطیب کی حیثیت سے دارالعلوم ہی میں مقیم رہا اور حضرت مفتی صاحبؒ سے قدم قدم پر بالمشافہہ استفادہ کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ کے وصال تک جو مزید انتیس سال کا عرصہ بنتا ہے، اس میں احقر کی دیوبند سے کراچی منتقلی کی وجہ سے بالمشافہہ استفادے کا موقع تو ہاتھ سے نکل گیا، اِلاّ یہ کہ وقفے وقفے سے چند دفعہ آپ کی خدمت میں حاضری اور براہِ راست استفادے کی سعادت پھر بھی میسر رہی، تاہم! باقی عرصے میں خط وکتابت اور فون کے ذریعے آپ سے استفادے اور موقع بموقع راہنمائی حاصل کرنے کا سلسلہ آپ کے وصال تک اللہ کی توفیق سے قائم رہا اور آپ نے احقر کو کبھی بھی اپنے علمی افادات اور مفید مشوروں سے محروم نہیں فرمایا۔

اس طویل عرصے کے اندر حضرت الاستاذؒ کو قریب سے دیکھنے اور آپ کی خصوصیات سے واقف ہونے کا ایک بھرپور موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا۔ مذکورہ طویل واقفیت وتعلق کی روشنی میں احقر پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں اہلِ علم وفضل کے لیے مفید سبق اور آپ کے متعلقین کے لیے نشانِ راہ اور قابلِ تقلید بلکہ قابلِ رشک عملی کردار کے نمونے ہیں۔ آپ کی خصوصیات میں سے چند ہی خصوصیات قارئینِ کرام کے فائدے کے لیے قلمبند کی جارہی ہیں:

۱.....تدریس وتالیف کے لیے مکمل یکسوئی کا اہتمام

حضرت الاستاذؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے مطالعہ وتدریس اور تحقیق وتالیف کے لیے مکمل یکسوئی اختیار فرماتے ہوئے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔ وہ غیر ضروری ملاقاتوں، عام اجتماعات میں شرکت اور تعلیمی ایام میں سفر کرنے سے اس لیے اکثر معذرت ہی فرماتے تھے، تاکہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے مشغلے میں خلل واقع نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ: ایک سبق کا ناغہ چالیس دن کی برکت کو ختم کردیتا ہے۔ تاہم سالانہ چھٹیوں میں بیرونِ ملک مقیم ان مسلمانوں کے اصرار پر جو حضرت والاؒ کے اصلاحی وعلمی بیانات کو اپنی اور اپنی نئی نسل کی اصلاح کے لیے نہایت مفید اور ضروری سمجھتے تھے، برابر سفر فرماتے رہے اور اُن کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے نہایت عام فہم اور مدلّل انداز میں بیانات فرماتے رہے، جن سے ان کو دیارِ غیر میں رہتے ہوئے اپنے لیے لائحۂ عمل طے کرلینے

اور اپنے عقائد واعمال کی حفاظت کرنے میں مدد ملتی رہی۔ آپ کے بیانات عام خطیبوں کی طرح جوشیلے نہیں ہوتے تھے، بلکہ تدریس کے انداز میں قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی اور فقہاء ومحدّثین واکابرِ دیوبند کی تشریحات کے مطابق ہوا کرتے تھے۔

احقر نے اپنی زندگی میں دو ایسی شخصیات دیکھی ہیں جو عالمی شہرت ومقبولیت کی بلندیوں تک پہنچنے کے باوجود اُن کے علمی وتحقیقی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا اور انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو غیر علمی مشاغل سے دور رکھا۔ ایک شخصیّت ممتاز عالمِ دین ومحدّثِ کبیر حضرت الاستاذ الشیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ حلَبی شامی قُدّس سرُّہ کی تھی جن سے ''جامعۃ الملک سعود ریاض سعودی عرب'' میں احقر نے پڑھا اور دوسری شخصیت حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری برَّد اللّٰہ مضجعَہٗ کی تھی جن سے احقر نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور پھر طویل عرصے تک استفادہ بھی کرتا رہا۔

عصرِ حاضر میں ایک عام مشاہدہ یہ رہا ہے کہ جب بعض علمی شخصیات کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوجاتی ہے اور اندرونِ ملک وبیرونِ ملک بے شمار لوگ ان کے معتقد بن جاتے ہیں تو پھر ان کے لیے اپنے معتقدین کی تقریبات واجتماعات میں شرکت سے معذرت کرنا، یا ان کی دعوت پر سفر سے اجتناب کرنا، یا اسی طرح دینی وعلمی اداروں میں انتظامی مناصب کی پیشکش کو ردّ کرنا، ان کے لیے امتحان بن جاتا ہے اور بالآخر ان میں سے اکثر حضرات مذکورہ غیر تعلیمی سرگرمیوں میں ایک حد تک مشغول ہوہی جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے علمی وتحقیقی کاموں کی رفتار میں ترقی کے بجائے سستی پیدا ہوجاتی ہے! لیکن کچھ حضرات اتنے باہمت وپرعزم اور اپنی علمی وتحقیقی مصروفیات میں اتنے مگن ہوتے ہیں کہ اپنی علمی مصروفیات کے مقابلہ میں کسی بھی ترغیب ومصلحت کا شکار نہیں ہوتے ہیں، ان ہی حضرات میں سے احقر کی نظر میں ایک حضرت الاستاذ الشیخ عبدالفتاح ابوغُدّہؒ اور دوسرے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ بھی تھے۔

۲.....عزم وہمّت اور مسلسل محنت

حضرت والا قُدّس سرُّہ کی دوسری خصوصیت ان کی مسلسل محنت اور غیر معمولی عزم وہمّت تھی۔ آپ ایک طرف تو دارالعلوم دیوبند میں ایک کامیاب ومقبول ترین مدرس کی حیثیت سے مختلف کتابیں پڑھاتے رہے، یہاں تک کہ شیخ الحدیث وصدر المدرّسین کے اعلیٰ علمی منصب پر آپ کو فائز کردیا گیا، اُدھر آپ اپنے بچوں کو جن کی تعداد بحمد اللہ! ایک درجن سے زائد تھی، خود ہی حفظِ قرآن اور ابتدائی کتابوں کی تعلیم اور خوشخطی کی مشق کراتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مجموعی طور پر تینتیس ہزار چھ سو چوراسی (۳۳۶۸۴) صفحات پر مشتمل ایسی علمی وتحقیقی چھیالیس کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن کی

تفصیل اوپر عرض کی جا چکی ہے۔ مذکورہ تمام علمی مشاغل کے باوجود عام مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ دل میں لیے ہوئے ایامِ تعطیل میں اندرونِ ملک و بیرونِ ملک آپ کے اصلاحی بیانات بھی ہوتے رہے، جن سے بے شمار خواص وعوام فیض حاصل کرتے رہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ قُدّس سرُّہ کے یہ تمام علمی کارنامے درحقیقت علومِ دینیہ سے ان کی اس سچی محبت کے کرشمے ہیں جو اُن کے دل میں موجزن تھی۔ وہ ایسی محبت تھی جو منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہوکر راستے کی مشقتوں کو صرف یہ نہیں کہ برداشت کرلیتی تھی، بلکہ ان مشقتوں کو بھی اپنی منزلِ مقصود کا حصہ سمجھتی تھی۔ ایسی ہی محبت کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے:

رہ رواں را خستگی راہ نیست
عشق خود راہ است ہم خود منزل است

ترجمہ ومفہوم: ''منزلِ مقصود کی طرف جانے والا مسافر راستے کی مشقتوں سے پریشان نہیں ہوتا، کیونکہ سچی محبت کی نظر میں منزلِ مقصود کا راستہ بھی منزلِ مقصود ہی کی طرح دلچسپ ہوتا ہے۔''

حضرت مفتی صاحبؒ کی تمام تصانیف اگر شائع شدہ نہ ہوتیں اور ان کی مذکورہ دیگر علمی مصروفیات کے لاتعداد چشم دید گواہ آج (ماہِ شوال ۱۴۴۱ھ) تک موجود نہ ہوتے تو شاید قارئین کرام کو یہ شبہ ہوجاتا کہ مضمون نگار اپنی عقیدت مندی میں حدِّ اعتدال سے آگے نکل چکا ہے، اس لیے کہ سہولت پسندی اور راحت طلبی کے موجودہ عصر میں کسی ایک ہی فرد کا بیک وقت اتنا ہی زیادہ علمی کام کرنا بظاہر ناممکن ہے۔

راقم الحروف جب بھی حضرت الاستاذ قُدّس سرُّہ کی علمی مصروفیات ومحنتوں پر غور کرتا ہے تو یہ محسوس کرلیتا ہے کہ انہوں نے صحیح معنوں میں مندرجہ ذیل مشہور مقولے کا تقاضا پورا کیا ہے:

''**العلمُ لایُعطیکَ بعضَهٗ حتی تُعطیَهٗ کلَّکَ**''، یعنی ''علم اپنی ذات میں سے کچھ بھی اس وقت تک تمہیں نہیں دے گا جب تک تم اپنی پوری ذات اُسے نہیں دو گے۔''

عام طور پر لوگ مذکورہ بالا مقولے کا مخاطَب طالبِ علم ہی کو قرار دیتے ہیں، جب کہ حضرت الاستاذؒ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا تھا کہ اس کا مخاطَب خود مدرّس بھی ہے۔

طلبِ علم کے لیے آپ کی قربانی کا ایک واقعہ

حضرت مفتی صاحبؒ کے عزم وہمت اور طلبِ علم کے لیے ان کی قربانی کا ایک واقعہ یاد آیا: ایک دفعہ احقر اُن کی اجازت سے ان کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کررہا تھا، اس دوران ایک پرانی سی کتاب نکالی، جس کے سرورق پر حضرت الاستاذؒ کے قلم سے ان کے زمانۂ طالب علمی کا ایک فقرہ لکھا ہوا

تھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''والدہ محترمہ نے گاؤں سے کسی کے ساتھ میرے لیے گھی بھجوایا تھا، اُسے بیچ کر میں نے یہ کتاب خرید لی۔''

اللہ اکبر! غور کیا جائے، آج کل کے بعض طالب علموں کے پاس اگر کتاب خریدنے کے لیے گھر والے پیسے بھیجتے ہیں تو وہ اُسے کھانے پینے پر خرچ کر دیتے ہیں، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے بہ زمانۂ طالب علمی جو خالص کھانے کی چیز تھی اور وہ بھی والدہ محترمہ کے ہاتھ کی بھیجی ہوئی اُسے بیچ کر کتاب پر خرچ کیا:

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

۳.....افہام وتفہیم کا منفرد سلیقہ

راقم الحروف کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس واعتراف ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے طلبِ علم کی غرض سے چار مختلف ملکوں (افغانستان، پاکستان، ہندوستان اور سعودی عرب) کے بعض ایسے مایۂ ناز اہلِ علم سے استفادہ کیا ہے اور ان کے پاس پڑھا ہے، جن کی نسبت اُس کے لیے موجبِ سعادت وباعثِ افتخار ہے۔ میں اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو میرا ذاتی کمال نہیں) شرح صدر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت والا کے افہام وتفہیم کا انداز ان سب سے منفرد اور ممتاز تھا۔ مشکل سے مشکل بحث ایسی ترتیب وعمدہ انداز سے بیان فرماتے تھے کہ اعلیٰ تو درکنار، ادنیٰ سے ادنیٰ طالبِ علم کے لیے بھی سمجھنا آسان ہوجاتا، اور مجھے یاد ہے کہ کبھی آپ دوسرے اساتذۂ کرام کے اسفار کی وجہ سے دو تین گھنٹے مسلسل پڑھاتے اور تمام طلبہ ہمہ تن گوش ہوکر سنتے اور ''کأنَّ علٰی رؤوسھم الطیرَ'' کا مصداق بن کر آپ کی علمی تحقیقات سے مسلسل کئی گھنٹوں تک انہماک کے ساتھ استفادہ کرتے رہتے۔

۴.....تربیت ومردم سازی

حضرت الاستاذؒ کی تربیت اور مردم سازی کا انداز بھی نرالا تھا۔ وہ خود بھی ہمیشہ اپنے علمی، تصنیفی اور اصلاحی کاموں میں مصروف اور غیر ضروری ملاقاتوں اور ملنے جلنے سے دور نظر آتے تھے اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی اِسی بات کی تلقین کرتے تھے:

گرت ہوا است کہ با خضر ہمنشیں باشی
نہاں ز چشمِ سکندر چو آب حیوان باش

ترجمہ ومفہوم: ''اگر تمہیں خضر علیہ السلام (حق اور اہلِ حق) کے ہم نشیں ہونے کا شوق ہے، تو

سکندر (دنیا اور اہلِ دنیا) کی نگاہوں سے آبِ حیات کی طرح پوشیدہ رہو۔‘‘

راقم نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جن اساتذہ یا طلبہ کو حضرت والاؒ سے قرب وتعلق کی سعادت نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقیوں سے نوازا اور انہیں استغناء، علمی انہماک، اعلیٰ ہمتی اور دنیوی زندگی کی پرخار وادیوں کو عبور کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ حضرت الاستاذؒ کی مردم سازی کے چند واقعات نمونے کے طور پر پیش کیے جارہے ہیں:

آپ کی مردم سازی کا پہلا واقعہ

تعلیمی سال ۱۴۰۲ھ-۱۴۰۳ھ کے درمیان میں جب احقر کا دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے تقرُّر ہوا، تو اس وقت کے ناظمِ تعلیمات حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے دفترِ تعلیمات بلاکر مجھے دیئے جانے والے اسباق سے متعلق میری رائے معلوم کی! میں چونکہ نیا نیا فارغ التحصیل ہوگیا تھا اور تدریس کے میدان میں پیش آنے والی مشکلات کا کوئی اندازہ یا تجربہ نہیں تھا، عمر بھی صرف بیس سال کے لگ بھگ تھی، اُدھر شاید دماغ اس زعم میں بھی مبتلا تھا کہ ایک طرف میں نے دورۂ حدیث میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے اور دوسری طرف درسِ نظامی کے موجودہ نصاب میں شامل مروَّجہ کتابوں کے علاوہ منطق وفلسفہ اور دیگر فنون کی کچھ ایسی کتابیں بھی اپنے علاقے کے جیّد الاستعداد علماء کے پاس پڑھی ہیں جو آج کل کم ہی پڑھائی جاتی ہیں، لہٰذا درسِ نظامی کی کوئی بھی کتاب ان شاء اللہ! میرے لیے مشکل نہیں ہوگی۔ بہرصورت! ناتجربہ کاری بلکہ نادانی پرمبنی مذکورہ بالا زعم کے تحت میں نے حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جواباً عرض کیا کہ: حضرت! آپ جو بھی اسباق سپرد فرمائیں گے، میں ان شاء اللہ! پڑھاؤں گا۔ نہ تو ابتدائی درجات کے اسباق سے مجھے کوئی دل شکنی ہوگی اور نہ ہی کچھ اوپر کے درجات کے اسباق سے گھبراہٹ ہوگی۔

میرا جواب سن کر حضرت مولانا ریاست علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ’’ملّا حسن‘‘، ’’میبذی‘‘ اور دو کتابیں ان کے علاوہ جن کے نام یاد نہیں رہے‘ مجھ سے متعلق کرکے اپنے پاس نوٹ کرلیں، تاکہ آگے ان کا اعلان آویزاں کیا جائے۔ میں دل دل میں خوش ہورہا تھا کہ مجھے تو ابتداء ہی سے ترقی ملنے لگی۔ اتفاق سے اُسی وقت اچانک حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ دفترِ تعلیمات تشریف لائے اور مجھے ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ کے پاس دیکھ کر اندازہ لگایا کہ انہوں نے مجھے اسباق کے سلسلے میں بلایا ہوگا، تو ناظمِ تعلیمات صاحبؒ سے دریافت فرمانے لگے کہ: اس

کو کون سے اسباق دے دیئے؟ حضرت ناظم صاحبؒ فرمانے لگے کہ: اس کی رائے دریافت کرنے کے بعد میں نے مذکورہ بالا اسباق اس کے نام لکھ دیئے ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے شدّت کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ: ابھی سے یہ کتابیں اس کو ہرگز نہ دیں، ورنہ آگے چل کر یہ کامیاب مدرّس نہیں بن سکے گا۔ مناسب یہ ہوگا کہ سالِ اول میں ''نحومیر''، سالِ دوم میں ''علم الصیغہ''، سالِ سوم میں ''شرح تہذیب'' اور سالِ چہارم میں ''اصول الشاشی'' یا ''سلم العلوم'' کے اسباق اس کو دے دیئے جائیں۔ پھر مجھے مخاطَب بنا کر فرمایا:

''مولوی صاحب! دو باتیں سمجھ لو! ایک بات تو ہے کتاب کو سمجھنا اور دوسری بات ہے کتاب کو سمجھانا۔ کتاب سمجھانے کے لیے صرف اس کا سمجھنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ مدرّس کو سخت محنت اور ابتدائی درجات سے پڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تب جا کر وہ کامیاب مدرّس بن سکتا ہے، تمہارا یہ خیال کہ جو کتاب میں خود سمجھ رہا ہوں، وہ طالبِ علم کو بھی بہ آسانی سمجھا سکوں گا' غلط ہے۔''

حضرت ناظمِ تعلیمات صاحبؒ چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے، اس لیے ان سے اتفاق کرلیا اور ان ہی کے بتائے ہوئے اسباق میرے نام کردیئے۔ مجھے بھی اپنی ناتجربہ کاری کا اندازہ ہوگیا اور دونوں کے اتفاق سے جو اسباق طے ہوگئے تھے اپنے لیے سعادت سمجھ کر شروع کرادیئے۔ اسباق شروع کرادینے کے بعد بہت جلد اندازہ ہونے لگا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا مشورہ میرے حق میں بے حد مفید رہا اور یقیناً خالی الذہن طلبہ کو سمجھانے کے لیے بڑی محنت اور تیاری کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس بات کا بھی یقین ہوگیا کہ اگر میں ابتداء ہی سے اوپر کی کتابیں لے لیتا تو بڑی مشکل میں پھنس جاتا۔

مردم سازی کے جذبات پر مبنی حضرت مفتی صاحبؒ کی مندرجہ بالا نصیحت ومشورے کا فائدہ آج تک محسوس کرتا رہتا ہوں اور فارغ ہونے والے طلبہ کو بھی ہر سال کے آخر میں اسی کی روشنی میں یہ مشورہ دیتا رہتا ہوں کہ کامیاب مدرّس بننے کے لیے ابتدائی کتابوں سے تدریس کا آغاز کیجئے اور پھر بتدریج اوپر جانے کی کوشش کیجئے۔ اگر کوئی شخص شروع ہی سے اوپر کی کتابیں لینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مقبول مدرّس نہیں بن سکتا، مولانا جلال الدین رومیؒ نے خوب کہا ہے:

مرغِ پَر نارُستہ چوں پرّاں شود
طعمۂ ہر گربۂ درّاں شود

ترجمہ ومفہوم: ''پر نکلنے سے پہلے جو چوزہ اُڑنے کی کوشش کرتا ہے، وہ پھاڑنے والی بلّی کا

لقمہ بن جاتا ہے۔‘‘

حضرت مفتی صاحبؒ کی مردم سازی کا دوسرا واقعہ

دارالعلوم دیوبند میں مدرّس کی حیثیت سے احقر کی تقرُّری کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ امتحان ہال (دارالحدیث تحتانی) میں تحریری امتحان ہورہا تھا اور مدرّسین حضرات نگرانی فرمارہے تھے، میں بھی ایک حلقے کی نگرانی پر مامور تھا، اس دوران مجھے اپنے حلقے کے اندر یہ محسوس ہوا کہ امتحان میں شریک دو طالب علم آپس میں گفتگو کررہے ہیں، میں نے اپنی ناتجربہ کاری اور فطری تیز مزاجی کے تحت کچھ سخت لہجے میں ان کی سرزنش کی، مجھے یہ اندازہ بھی نہیں ہوا کہ حضرت الاستاذؒ نے مجھے ان طلبہ کی سرزنش کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے حلقے میں گشت فرمارہے تھے، لیکن آپ نے اپنی دوربین نگاہوں سے مجھے دیکھ لیا تھا، چنانچہ آہستہ آہستہ گشت کرتے ہوئے میرے حلقے کی طرف تشریف لائے اور مجھے ایک طرف کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کی ہے، سنائی:

’’إن الرفقَ لايكون في شيئ إلا زانَه ولايُنزَع من شيئ إلا شانَه.‘‘

’’بے شک نرمی ایک ایسی چیز ہے کہ جب وہ کسی معاملے میں شامل ہوجاتی ہے تو اس کو خوبصورت بنادیتی ہے، اور اگر اُسے کسی معاملے سے الگ کردیا گیا ہو تو وہ معاملہ بگڑ جاتا ہے۔‘‘

حدیث سنانے کے بعد حضرت الاستاذؒ نے فرمایا کہ: ’’دیکھو! یہ بات تو اپنی جگہ پر درست ہے کہ استاذ کا رعب ووقار طلبہ کے ذہنوں میں قائم رہنا چاہیے اور وہ طلبہ کے ساتھ اتنا بے تکلف نہ ہو جس سے اس کا رعب ووقار جاتا رہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بلاضرورت سخت لہجہ یا سخت رویہ اختیار کرنا، استاذ وشاگرد کے درمیان قائم شفقت وعقیدت کے اس رشتے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے جس کا برقرار رہنا ضروری ہوتا ہے، جب کہ نرمی ورحم دلی اس رشتے کو مزید مضبوط بنادیتی ہے۔‘‘

راقم الحروف کا مزاج فطری طور پر کچھ تیز واقع ہوا ہے، البتہ حضرت الاستاذؒ کی مذکورہ بالا نصیحت کا یہ اثر اس وقت سے آج تک محسوس کرتا ہوں کہ جب بھی کسی معاملے میں تیز مزاجی کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو حضرت والا کی نصیحت یاد آتی ہے اور نرمی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اور اگر بروقت نرمی اختیار نہ کرسکا تو پھر ندامت وشرمندگی ضرور ہوتی ہے جو آئندہ کے لیے نرمی اختیار کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

حضرت الاستاذؒ کی مردم سازی کا تیسرا واقعہ

دارالعلوم دیوبند کے اسلاف واکابر کی طرح حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدِّس سرُّہٗ کی تربیت ورجال سازی کا یہ عالَم تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو تلاش کرتے ہوئے اُبھارنے اور بروئے کار لانے کی کوشش فرماتے تھے، اس سلسلے کا ایک واقعہ سپردِ قلم کیا جارہا ہے:

دارالعلوم دیوبند میں مدرّس کی حیثیت سے جب احقر کا تقرُّر عمل میں آیا، تو دارالعلوم کے نظام کے مطابق تدریس کے ساتھ ساتھ دارالاقامہ کے ایک حلقے کی نظامت بھی مجھ سے متعلق کردی گئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اپنے حلقے کے بعض انتظامی اُمور سے متعلق ایک مفصل تحریر میں نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام لکھی۔ میری اردو زباں چونکہ کافی کمزور تھی، اس لیے مجھے اپنی اس ٹوٹی پھوٹی تحریر پر دل میں شرم بھی محسوس ہورہی تھی کہ پتا نہیں میری تحریر کا مقصد حضرت مہتمم صاحب کے سامنے واضح بھی ہوسکے گا یا نہیں؟ بہرصورت! اسی تردُّد کے ساتھ ہی میں نے اپنی تحریر پیش کار صاحب کے پاس جمع کرادی، تاکہ وہ مناسب وقت میں اُسے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں پیش کردے۔

اتفاق سے جس وقت میری مذکورہ تحریر پیش کار صاحب کے ذریعے حضرت مہتمم صاحبؒ کے سامنے پیش ہورہی تھی اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ بھی وہاں موجود تھے اور انہوں نے بھی اُسے ملاحظہ فرمایا تھا، جس کا مجھے کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک مناسب موقع پر مجھ سے فرمایا کہ: تمہارے اندر لکھنے کی صلاحیت موجود ہے، تم اپنی اس صلاحیت سے کام لیتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ شروع کرو۔ میں حیران ہوگیا کہ میں نے آج تک نہ تو کوئی رسالہ لکھا ہے اور نہ ہی کسی مقالہ نویسی یا مضمون نگاری میں کوئی دلچسپی لی ہے، اور نہ ہی اپنے اندر لکھنے کی ہمت محسوس کرتا ہوں! پتہ نہیں حضرت الاستاذ کس بنیاد پر میرے اندر لکھنے کی صلاحیت کا تذکرہ فرمارہے ہیں؟ میں اسی سوچ میں تھا کہ حضرت نے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: کچھ عرصہ قبل تم نے مہتمم صاحب کے نام دارالاقامہ کے انتظامی امور سے متعلق جو ایک تحریر لکھی تھی وہ مہتمم صاحب نے مجھے بھی دکھائی تھی، جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ تمہارے اندر لکھنے کی صلاحیت موجود ہے، لہٰذا تم اس صلاحیت کو ضائع مت کرنا۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدِّس سرُّہ کی مذکورہ بالا قیمتی نصیحت پر اگرچہ اپنی غفلت کی وجہ سے میں مکمل طور پر عمل پیرا نہ ہوسکا، تاہم اس کی برکت سے میں نے اپنے اندر اتنی ہمّت ضرور محسوس کی ہے کہ اس وقت سے آج تک اللہ کی توفیق سے کچھ نہ کچھ کبھی تو عربی زباں میں اور کبھی اردو زباں میں لکھنے کی نوبت پیش آتی رہتی ہے۔

۵.....دینی حمیّت وحق گوئی

مصلحت پسندی کے موجودہ دور میں حضرت الاستاذؒ کی ایک خصوصیّت' ان کی دینی حمیّت وحق گوئی تھی۔ وہ خلافِ شریعت کسی عمل پر خاموشی اختیار کرنے کے قائل نہیں تھے۔ اپنے اکابر کے مسلک سے ہٹ کر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے بہانے سے اگر کسی کی کوئی رائے سامنے آتی تو آپ مدلّل اور پُرزور انداز میں اس کی تردید فرماتے۔ دینی یا سیاسی جلسوں میں تصویر کشی کا مسئلہ ہو یا جاندار کی تصویر کے ساتھ سوشل میڈیا اور ٹی وی پر تبلیغِ دین کا موضوع ہو، مزارات پر کتبے لگانے کا سلسلہ ہو یا مدارسِ دینیہ کے اندر مروَّجہ حیلۂ تملیک کا مسئلہ ہو، یا ان سے ملتے جلتے کچھ دیگر ایسے مسائل ہوں جن میں قرآن وسنت کی تعلیمات اور اپنے اکابر کے مسلک سے ہٹ کر تساہل سے کام لیا جارہا ہو، آپ مضبوط دلائل کی روشنی میں ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر ان امور کی مخالفت فرماتے۔ آپ کی بعض آراء سے کچھ اہلِ علم حضرات اگر اتفاق نہ بھی کرتے، تب بھی اس بات کا اعتراف وہ ضرور کرتے کہ آپ ایک حق گو اور صاف گو عالمِ دین ہیں، جو کچھ فرماتے ہیں دینی حمیت کے تحت فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ حق گوئی میں شاعرِ مشرق علاّمہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل شعر کے مصداق تھے:

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

احقر کے اوپر حضرت الاستاذؒ کے بے شمار احسانات

رواں پندرھویں صدی ہجری کے پہلے سال ۱۴۰۱ھ کو احقر بے سروسامانی کی حالت میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طالبِ علم کی حیثیت سے داخل ہوا۔ ظاہری بے سروسامانی، غریب الوطنی اور مقامی زبان سے ناواقفیت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اتنے انعامات سے نوازا جن کا تصور بھی مجھ جیسا تہی دامن و بے حیثیت طالبِ علم نہیں کرسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک اہم انعام یہ تھا کہ اس نے میرے اساتذۂ کرام اور بالخصوص حضرت مفتی صاحبؒ کی خصوصی شفقتیں

میری طرف متوجہ کرادیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے جہاں دارالحدیث میں اپنے دوسرے شاگردوں کے ساتھ ساتھ احقر کو بھی حدیث کی متعدد کتابیں پڑھائیں، وہاں اپنے خارجی اوقات میں نظام الاوقات کی رعایت کے ساتھ حاضرِ خدمت ہونے اور استفادے کی خصوصی اجازت سے بھی نوازا۔ احقر کو دورانِ مطالعہ جو اشکالات درپیش ہوتے، ان کی خدمت میں جاکر پیش کرتا اور آپ نہایت توجہ کے ساتھ سماعت فرماتے اور اطمینان بخش جوابات سے نوازتے۔

اشارہ بالسبّابہ کے مسئلے میں راہنمائی

احقر نے فقہ کی کتابیں اپنے علاقے کے علمائے کرام سے پڑھی تھیں، وہ علمائے کرام تشہُّد کے وقت اشارہ بالسبّابہ کے قائل نہیں تھے، اور دلیل میں بعض فقہائے احناف کی عبارتیں اور بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصّل مکتوب کو پیش کرتے تھے، جس میں اشارہ بالسبّابہ کی حدیث میں تاویل کرتے ہوئے فقہ حنفی کی مختلف کتابوں کے حوالوں کے ساتھ اس اشارے کو منع کیا گیا ہے۔ (مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب نمبر: ۳۱۲)

دارالعلوم دیوبند جانے سے قبل جہاں احقر نے درجہ موقوف علیہ پڑھتے ہوئے مشکوٰۃ شریف میں اپنے استاذ کے پاس اشارہ بالسبّابہ والی حدیث پڑھی اور استاذ محترم نے اس حدیث کی روشنی میں اشارہ بالسبّابہ کو سنت قرار دیا، تو میں نے طالب علمانہ اشکال پیش کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ مکتوب اور اس میں درج شدہ تحقیق کا حوالہ دیا اور اس کا جواب اپنے استاذ محترم سے چاہا! استاذ محترم نے جواب دینے اور مجھے سمجھانے کی کوشش فرمائی، لیکن میرے ذہن میں اس جواب سے متعلق مزید اشکالات پیدا ہوتے رہے، اور یاد پڑتا ہے کہ سوال و جواب کا سلسلہ چند دن تک جاری رہا، لیکن میری محرومی تھی کہ میں پھر بھی مطمئن نہ ہوسکا۔

اگلے سال جب دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طالبِ علم کی حیثیت سے احقر کو داخلہ ملا اور وہاں کے مایۂ ناز محدّثین حضرات کے پاس حدیث پڑھنے کا موقع میسر ہوا، تو حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ نے حدیث کی متعدد کتابیں پڑھائیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس پہلی بار جب اشارہ بالسبّابہ والی حدیث پڑھنے کا موقع ملا تو احقر نے یہاں بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ مکتوب کے حوالے سے اشکال پیش کیا، حضرت الاستاذؒ نے اس مسئلے کو تفصیل طلب قرار دیتے

ہوئے سبق کے بعد اپنی رہائش گاہ پر مجھے ملنے کا حکم دے دیا۔

جب مقررہ وقت پر احقر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اطمینان کے ساتھ میرا اشکال سنا اور پھر اپنی خداداد صلاحیت اور بے نظیر اندازِ تفہیم کے ذریعے محققینِ احناف اور اکابرِ دیوبند کا مسلک بیان کرتے ہوئے مذکورہ مکتوب کا ایسا محققانہ جواب پیش فرمایا جس سے میرا ذہن بالکل مطمئن ہوگیا اور صرف یہ نہیں کہ میں نے اگلی ہی نماز میں اشارہ بالسبّابہ کی سنت پر عمل شروع کیا، بلکہ آگے چل کر اللہ کی توفیق سے اپنے علاقے کے دوسرے بے شمار لوگوں کو بھی اس سنت پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرتا رہا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

امامت وتدریس میں ان کی راہنمائی

احقر کو دورۂ حدیث کے سال دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری اور فراغت کے بعد تدریس کی ذمہ داری بھی سپرد کردی گئی۔ ان دونوں میدانوں میں اپنے تمام اساتذۂ کرام اور بالخصوص حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی راہنمائی قدم قدم پر شاملِ حال رہی۔ ان کی خصوصی توجہات وشفقتوں کی برکت سے مجھ جیسا مغفّل وتہی دامن شخص بھی ایک طرف تو نحومیر سے تدریس کا آغاز کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور آج دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھا رہا ہے، اور دوسری طرف ایک بڑی مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی انجام دے رہا ہے۔ اگر ان کی خصوصی عنایات وتوجہات اور مبارک دعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں تو بظاہر ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔

حفظِ قرآن میں احقر کے اوپر حضرت مفتی صاحبؒ کا عظیم احسان

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرّس کی حیثیت سے احقر کا تقرُّر رہوا۔ تدریس کے دوران میں نے محسوس کیا کہ مدرّس اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو تدریس میں اُسے دقّت پیش آتی ہے، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں حُفّاظِ قرآن کی کثرت کو دیکھ کر بھی حفظِ قرآن کا ایک ولولہ دل میں پیدا ہو چکا تھا، لہٰذا دل نے چاہا کہ تدریس اور مسجدِ دارالعلوم کی امامت اور دارالاقامہ کے ایک حلقہ کی نظامت کے ساتھ ساتھ خارجی وقت میں حفظِ قرآن شروع کروں۔ البتہ مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود حفظِ قرآن میں لگنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اس لیے حسبِ معمول حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدِّس سرُّہ کی خدمت میں مشورہ کرنے کے لیے ان کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا اور حفظِ قرآن کے لیے اپنی رغبت وارادے کا اظہار کیا۔

حضرت الاستاذؒ نے ہمّت افزائی فرماتے ہوئے میرے ارادے کی تائید فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ: تم نے بہت عمدہ سوچا ہے، لیکن اس عمر میں مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود حفظِ قرآن کے لیے ایک پختہ نظام الاوقات بنانے، مسلسل محنت اور وقت کی پابندی کی سخت ضرورت ہوگی۔ اگر تم مذکورہ تین شرائط کو بجالانے کے لیے تیار ہو تو میں خود ہی روزانہ تمہارا سبق اور آموختہ متعیّن اوقات میں سن لیا کروں گا اور تجھے اللہ کی توفیق سے حافظِ قرآن بنادوں گا۔

میں چونکہ صرف مشورہ کرنے کے لیے حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں تھا کہ دارالعلوم کے مایۂ ناز استاذِ حدیث اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود اس حقیر کو اپنی اولاد کا درجہ دے کر اس کے لیے روزانہ کی بنیاد پر وقت نکالیں گے! اس لیے میں نے عرض کیا کہ: حضرت والا! میں تو صرف مشورہ کے لیے حاضر ہوا تھا، لیکن آپ نے میرے ساتھ اتنا بڑا احسان کا معاملہ فرمایا جو میرے تصور میں بھی نہ تھا، لہٰذا میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ نے جن تین شرائط کی نشاندہی فرمائی ہے، میں اللہ کی توفیق سے تینوں کی مکمل پابندی کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: جاؤ، اور آج ہی سے قرآن کی آخری منزل سورۂ ''ق'' سے حفظ کرنا شروع کرو اور کل فلاں وقت کو ایک منٹ کی تقدیم وتاخیر کے بغیر میرے پاس آنا، میں سن لوں گا۔

حضرت الاستاذؒ کی ہدایت کے مطابق بروز یکشنبہ بتاریخ ۲۸ رصفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۴ ر دسمبر ۱۹۸۳ء سورۂ ''ق'' سے احقر حفظِ قرآن میں مصروف ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضرت الاستاذ کی خصوصی توجہ وعنایت سے ایک سال تین مہینے کے اندر مذکورہ بالا مصروفیات کے باوجود بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۴ ر مارچ ۱۹۸۵ء حفظِ قرآن مکمل ہوگیا۔ اس پورے عرصے میں روزانہ فجر کے بعد سبق اور شام کو آموختہ حضرت الاستاذؒ کو سناتا رہا اور وہ سنتے رہے، جمعہ کو بھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ جب قرآن کریم کی ایک منزل کا حفظ مکمل ہوگیا تو پھر جمعہ والے دن سبق کے علاوہ ایک پوری منزل بھی سنتے تھے۔

اس طویل عرصے کے اندر احقر نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ حضرت الاستاذؒ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے کوئی گرانی محسوس فرمارہے ہیں، بلکہ حفظ مکمل ہونے کے بعد بھی روزانہ شروع میں ڈیڑھ پارہ اور پھر دو پارے مجھ ناچیز سے سنتے رہے اور ماہِ رمضان ۱۴۰۵ھ تک تین دور کراتے ہوئے مجھے اس قابل بنادیا کہ ماہِ رمضان ۱۴۰۵ھ کو پہلی محراب ان ہی کے مشورے سے دارالعلوم کی مسجد میں سنادوں۔ رمضان کے بعد بھی شروع میں روزانہ ڈیڑھ پارہ اور بعد میں روزانہ تین پارے احقر سے

سنتے رہے، یہاں تک کہ بروز یکشنبہ ۴ رصفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۹۸۵ء آپ نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ! تمہیں مجھ کو قرآن سنانے کی ضرورت نہیں رہے گی، تم خود پابندی کے ساتھ روزانہ کا ایک معمول بنا کر اپنی پوری زندگی میں قرآن پاک کی تلاوت سے وابستہ رہو اور ہر ماہ رمضان میں محراب سنانے کی پابندی بھی کرو۔

پاکستان واپسی کے بعد بھی قدم قدم پر آپ کی راہنمائی

دارالعلوم دیوبند سے پاکستان واپسی کے بعد بھی تدریس کا معاملہ ہو یا امامت کا، اپنی زندگی کے لیے مناسب طریقۂ کار کی تلاش ہو یا کوئی علمی اشکال درپیش ہو، حالاتِ حاضرہ کے تحت کسی اُلجھن کا سامنا ہو یا زندگی کے نشیب وفراز میں کسی مشکل کا احساس دامن گیر ہو، پڑھنے لکھنے کا طرزِ عمل ہو یا اشاعتِ کتب کا ارادہ، غرض یہ کہ ہر ہر موقع پر حضرت الاستاذؒ سے احقر رابطہ کرتا رہا اور حضرت راہنمائی فرماتے رہے، اور مجھے یاد نہیں کہ حضرت والا کا کوئی بھی مشورہ ایسا رہا ہو جس پر مجھے اطمینان نصیب نہ ہوا ہو یا اس کا نتیجہ مثبت نہ رہا ہو۔

آپ کے وصال کے بعد جہاں احقر سمیت بے شمار بہی خواہانِ دارالعلوم دیوبند فکرمند ہیں کہ اب مادرِ علمی کو ایسا جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث اور ایسا متقی وباہمت صدر المدرّسین کیسے میسر ہوگا؟ وہاں احقر ذاتی طور پر پریشان ہے کہ وہ اپنے علمی اشکالات کس سے حل کرائے گا؟ اور زندگی کے نشیب وفراز میں پیش آنے والے غور طلب امور سے متعلق مشورہ کس سے کرے گا؟ حافظ شیرازیؒ نے شاید ایسے ہی کسی موقع پر کہا ہے:

مرادِ دل ز کہ جویم کہ نیست دلدارے
کہ جلوۂ نظر و شیوۂ کرم دارد

ترجمہ ومفہوم: ''میں اپنا مقصد کہاں تلاش کروں؟ اس لیے کہ کوئی ایسا تسلی دینے والا تو رہا ہی نہیں، جس کی نگاہ میں جلوہ گری اور اس کی عادت میں ہمدردی ہو۔''

تاہم! ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اللہ کی رحمتوں سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کی بھی حفاظت فرمائیں گے اور حضرت الاستاذ کی اولاد واقارب اور متعلقین ومحبین کو بھی صبرِ جمیل عطا فرمائیں گے، **وماذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔**

آپ کی ترقی ومقبولیت کا راز

راقم الحروف کی نظر میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدِّس سرُّہ کی ترقیوں اور غیر معمولی مقبولیت کے دو اہم اسباب ہیں، جنہیں اختصار کے ساتھ قلمبند کیا جارہا ہے:

۱.....رزقِ حلال کی برکت

احقر جس زمانے میں حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کے پاس حفظِ قرآن کر رہا تھا، اس زمانے میں ان کے والدِ ماجد جناب یوسف پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۱۹/ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ) جو اپنے گاؤں میں قیام پذیر تھے، چند دن کے لیے دیوبند تشریف لائے تھے اور اپنے صاحبزادے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کے ہاں مقیم تھے۔ احقر چونکہ روزانہ ان کے مکان پر قرآن سنانے کے لیے حاضری دیتا تھا، اس لیے ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے جب تک وہ حضرت الاستاذ کے پاس مقیم رہے، چند ملاقاتیں میسر ہوئیں اور ان سے واقفیت کا موقع نصیب ہوا۔ وہ باضابطہ عالمِ دین اگرچہ نہیں تھے، لیکن ایک صاف دل، متقی پرہیزگار اور سنتوں کے پابند ضرور تھے۔ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت پر اتنی توجہ دی تھی کہ صرف ایک بیٹے کے علاوہ سب کو حافظ وعالم بنادیا تھا۔

ایک ملاقات کے دوران میں نے جناب یوسف صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ: آپ کتنے خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب مدرّسِ دارالعلوم دیوبند جیسے صاحبزادوں کی نعمت سے نوازا ہے، جب کہ آپ خود باضابطہ عالم بھی نہیں ہیں! آپ یہ تو بتادیجئے کہ آپ کے صاحبزادوں کی کامیابی کا اصل راز کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے اور اللہ ہی اصل راز کو جانتا ہے، میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ الحمدللہ! میں نے اپنے علم کے مطابق اپنے بچوں کو ایک لقمہ بھی حرام یا مشکوک روزی کا نہیں کھلایا ہے اور پھر اپنا ایک قصہ سنایا جس کا خلاصہ یہ تھا:

''جس زمانے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ اور حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں پڑھاتے تھے، اس وقت میں وہاں پڑھتا تھا اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی خدمت کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے فرمایا کہ: یوسف! تمہاری برادری کے لوگ بہت اچھے

لوگ ہیں، لیکن ان میں ایک خامی ایسی ہے جس کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوگا، وہ سب کے سب بنیوں کے سود میں پھنسے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی آمدنی حرام ہے، حرام اور ناجائز غذا کھا کر اچھا عالم پیدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ آگے چل کر تمہارے بیٹے اچھے عالم بنیں تو حرام اور ناجائز مال سے خود بھی پرہیز کرنا اور اولاد کو بھی بچانا۔ میرے والد (حضرت مفتی صاحبؒ کے دادا) نے بھی چونکہ بنیوں سے سودی قرضہ لیا تھا، اس لیے حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کی بات سن کر میں نے ان سے اس سودی قرضے سے جان چھڑانے کا تقاضا کیا، لیکن وہ میری بات نہ مان سکے اور مجھے الگ کر دیا، میں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر یہ تہیّہ کرلیا کہ چاہے بھوکا رہوں، مگر حرام یا مشکوک مال کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تاکہ میں نہیں پڑھ سکا، میری اولاد تو ان شاء اللہ تعالیٰ پڑھ کر اچھے عالم بن سکیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنی ہی محنت سے کمانا شروع کیا، خود بھی حرام ومشکوک آمدنی سے بچنے کی کوشش کی اور اولاد کو بھی اس سے بچایا اور ان کی تعلیم پر توجہ دی، جس کے نتیجے میں ایک بیٹے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سب کو حافظ وعالم بنادیا۔''

راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے والدِ ماجد کی تربیت ونیک جذبات کا یہ اثر تھا کہ آپ نے بھی ہمیشہ قناعت واستغناء کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو مشکوک آمدنی سے دور رکھا۔ اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ آپ نے فارغ ہونے کے بعد نو سال تک ''دارالعلوم اشرفیہ، راندیر'' میں پڑھایا اور ۱۳۹۳ھ کو دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرُّر رہوا، آپ اس دوران ایک معمولی مشاہرے پر اکتفا کرتے ہوئے شب وروز مطالعہ، تدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔ تدریس کے ابتدائی دور میں فاقوں کی نوبت بھی پیش آئی، لیکن آپ نے ہمیشہ صبر وتوکل سے کام لیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصانیف کو خوب مقبولیت عطا کی اور اپنے ذاتی کتب خانہ ''مکتبۂ حجاز'' سے بقدرِ ضرورت ایک آمدنی کا سلسلہ بن گیا تو آپ نے ۱۴۲۳ھ کو حجِ بیت اللہ سے واپسی کے بعد دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینے کا سلسلہ موقوف کردیا اور جو تنخواہ ۱۳۹۳ھ سے ۱۴۲۳ھ تک وصول فرما چکے تھے، وہ بھی واپس لوٹا دی، اور دارالعلوم دیوبند میں تقرُّری سے قبل ''دارالعلوم اشرفیہ، راندیر'' میں جو نو سال تک تنخواہ وصول فرمائی تھی، وہ بھی دارالعلوم اشرفیہ کو لوٹا دی اور پھر اپنے وصال تک لِلّٰہ فی اللہ دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

ایک دفعہ حضرت الاستاذؒ نے خود مجھ سے فرمایا کہ: میرے والد ماجد کا منشا تو یہ تھا کہ میں ابتدا ہی سے بلا مشاہرہ پڑھاتا، لیکن میں نے یہ سوچا کہ میری طالب علمی کے دور میں تو والد صاحب ہی

اپنی محنت کی معمولی آمدنی سے مجھ پر خرچ کرتے رہے، اب تدریس کے دوران بھی وہ ہی مجھ پر اور میری اولاد پر خرچ کرتے رہیں، یہ مناسب نہیں، لہٰذا میں مشاہرہ لینے کے لیے آمادہ ہوگیا تھا، لیکن یہ نیت کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اپنے والد کے منشا کا خیال رکھتے ہوئے سارا وصول کیا ہوا مشاہرہ واپس لوٹادوں گا۔

۲.....قرآن کریم سے والہانہ تعلق ومحبت کا کرشمہ

حضرت الاستاذؒ کی مقبولیتِ عامہ اور کامیابیوں کا ایک اہم سبب احقر کی نظر میں قرآنِ پاک سے ان کی والہانہ محبت ووابستگی تھی، دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں احقر نے بارہا یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص حضرت والا کے سامنے تلاوت شروع کرتا یا وہ خود تلاوت میں مصروف ہوجاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کا ظاہری وباطنی تعلق سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب سے جُڑ گیا ہے، آنسورواں دواں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا نظر آتا۔ حضرت والاؒ کی مذکورہ کیفیت کو یاد کرکے آج تک میں سوچتا رہتا ہوں کہ اگر زندگی میں صرف ایک دفعہ بھی ہمیں ایسی کیفیت نصیب ہوجائے تو شاید ہمارا بیڑا پار ہوجائے، لیکن بات یہ ہے کہ ''**ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء.**''

احقر جب حضرت الاستاذؒ کے قرآنِ پاک سے تعلق کو نبی کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل جیسی حدیثوں کی روشنی میں دیکھتا ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت الاستاذؒ کی ترقیوں اور بے مثال محبوبیت ومقبولیت کا ایک اہم راز قرآن پاک سے ان کی والہانہ محبت تھی، کیونکہ ان حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن سے تعلق ومحبت' اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ امام بخاریؒ نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''**لَمْ یَأْذَن اللّٰہُ لِنبیّ ما أذِن لنبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتغنّٰی بالقرآن.**''

یعنی ''اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی نہیں سنی جیسی اس نبی کی سنی جو قرآن پاک ترنم سے پڑھتا ہے۔''

(بخاری شریف، ج:۲،ص:۷۵۱)

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''.....**وما تقرَّب العباد إلی اللّٰہ بمثل ما خرج منہ یعنی القرآن.**''

یعنی ''اور بندوں نے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اس قدر کسی چیز کے ذریعے حاصل نہیں کی جس قدر اس چیز کے ذریعے جو اللہ سے صادر ہوئی ہے، یعنی قرآن پاک۔'' (ترمذی شریف، ج:۲،ص:۱۱۹)

آپ کی ایک آخری خاموش تمنا جو پوری ہوگئی

حضرت الاستاذؒ نے اپنی زندگی اتنی کارآمد بنالی کہ موجودہ دور میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی، آپ نے دین کی مسلسل خدمت کرتے ہوئے اپنی صحت کی بھی کوئی پروانہیں کی۔ غالباً آپ یہ چاہتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جسم کے بارے میں مجھ سے سوال کرے کہ: ''فیم أبلیتَه؟'' یعنی ''اپنے جسم کو کن کاموں میں لگا کر آپ نے ناتواں کردیا؟'' تو میں جواب دے سکوں کہ: ''في خدمة کتابک وسنة نبیک'' یعنی ''تیری کتاب اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خدمت میں لگا کر ناتواں کردیا۔''

آپ زیادہ محنت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنی عمر کے آخری سالوں میں شوگر اور دل کی مختلف بیماریوں کا شکار ہوگئے تھے، عمر کے اس حصے میں بظاہر ان بیماریوں سے صحت یاب ہونے کی اُمید کم اور ان کے مزید بڑھ جانے کا اندیشہ زیادہ ہوجاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں یقیناً حضرت والاؒ کی یہ خاموش تمنا رہی ہوگی کہ وہ ارذلِ عمر سے پہلے ہی قرآن وسنت کی خدمت کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور میں حاضری دیں، اور اپنے عزیز طلبہ کو بھی تعلیمی سال کے درمیان میں الوداع نہ کہیں جس سے ان کی کتاب بخاری شریف نامکمل رہ جائے، اور نہ ہی دارالعلوم کو سال کے درمیان میں خیر باد کہہ کر اس کی مؤقر مجلسِ شوریٰ کو شیخ الحدیث وصدر المدرّسین کی تعیین کے لیے غور کرنے کا موقع نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک اور مخلص بندے کی مذکورہ خاموش تمنا اس طرح پوری فرمائی کہ آپ نے بخاری شریف کو اختتام تک پہنچاتے ہوئے اس جملے کے ساتھ اپنے طلبہ سے رخصت لی کہ: ''اب وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا''، اور پھر رمضان المبارک میں سفر کے دوران نہایت کمزوری کی حالت میں آرام کرنے کے بجائے روزانہ تراویح کے بعد درسِ قرآن کا سلسلہ شروع فرما کر علمی اور اصلاحی گراں قدر نکتے بکھیرتے رہے، کمزوری اتنی کہ متعلقین نے (بشمول احقر کے بذریعہ فون) چند دن تک درس موقوف رکھنے اور آرام کرنے کی درخواست کی، لیکن آپ نے انکار فرماتے ہوئے ۱۵/رمضان تک درس کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی کیفیت پر حافظ شیرازیؒ کا مندرجہ ذیل شعر منطبق ہورہا تھا:

دست از طلب ندارم تاکامِ من بر آید
یا تن رسد بہ جاناں یا جان زِ تن بر آید

ترجمہ ومفہوم: ''میں اپنے مقصد کے حصول تک جدوجہد جاری رکھوں گا، تاکہ یا تو محبوبِ حقیقی کا وصال نصیب ہو یا پھر میں اپنی جان اس کے سپرد کروں۔''

۱۵؍رمضان المبارک کے بعد زباں میں بولنے کی طاقت باقی نہیں رہی اور سفرِ آخرت شروع ہوگیا اور چند ہی دن کے اندر آخری عشرے میں ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ راقم الحروف جب حضرت الاستاذؒ کی پوری زندگی اور خاص کر زندگی کے آخری قابلِ رشک ایام پر غور کرتا ہے، تو بے اختیار زباں پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں: ''**عاش سعیداً ومات سعیداً وسیُبعث یوم القیامة إن شاء اللّٰہ سعیداً.**'' (آپ نے سعادت مندی کی زندگی بسر کی اور سعادت مندی کی موت نصیب ہوئی اور قیامت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سعادت مندی کی حالت میں اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے) اور اسی سوچ وغور وفکر سے اللہ تعالیٰ مجھے اپنے عظیم مربی واستاذ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قُدِّس سرُّہ العزیز کے فراق پر صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے، اور اُمید کرتا ہوں کہ ان بے ربط لیکن دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ٹوٹے پھوٹے کلمات سے قارئین کرام اور حضرت الاستاذؒ کی اولاد واقارب اور مخلصین ومتعلقین کو بھی صبر کی توفیق نصیب ہوگی۔

احقر نے اپنے مضمون کو بار بار سمیٹنے کی کوشش کی، لیکن قلم اپنی زبانِ حال سے مندرجہ ذیل مشہور شعر کو معمولی ترمیم کے ساتھ دہراتا ہوا آگے بڑھتا رہا:

أَعِدْ ذکرَ ''سعید'' لنا إن ذکرَہٗ
ھو المسکُ ما کرَّرتَہٗ یتضوَّع

ترجمہ ومفہوم: ''شیخ سعید کا تذکرہ دہراتے رہنا، کیونکہ ان کا تذکرہ جتنا دہراتے رہوگے اتنا ہی مشک کی طرح مہکتا رہے گا۔''

حضرت الاستاذؒ نے اپنے پیچھے نو صاحبزادہ گان اور دو صاحبزادیوں کو سوگوار چھوڑا، جو سب کے سب حافظِ قرآن اور دینی تعلیم سے آراستہ اور دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ دو صاحبزادوں کا آپ کی حیات میں انتقال ہوگیا تھا، وہ بھی حافظِ قرآن اور دینی تعلیم سے آراستہ تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور آپ کی اولاد، اقارب ورشتہ دار، دارالعلوم دیوبند کے اربابِ انتظام اور اساتذۂ کرام وطلبہ اور حضرتؒ کے تمام تلامذہ ومتعلّقین ومحبّین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مسافرانِ آخرت کا تذکرہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

گزشتہ دو تین ماہ میں اتنے علماء کرام، مشائخ عظام اور دین و اہل دین سے محبت کرنے والے مسلمان اس تیزی سے اس دنیا فانی سے رخصت ہو کر عالمِ آخرت کی طرف منتقل ہوئے ہیں کہ گزشتہ کئی سالوں میں اتنی تعداد میں اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے ہوں گے۔ اس سے لگتا یوں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا سے علم قبض کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جب کہ یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ ''**موت العالِم موت العالَم**'' ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہے اور یہاں تو ایک نہیں دو درجن سے زائد علماء، بزرگ، مشائخ اور اہلِ علم سے محبت کرنے والے اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، سب کے حالات کو تفصیل سے لکھنے کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی فرصت، اس لیے مختصر کچھ حضرات کے حالات لکھے جاتے ہیں:

حضرت مولانا حافظ صغیر احمد رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا حافظ صغیر احمدؒ ۱۶ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ مطابق ۸ جون ۲۰۲۰ء بروز پیر انتقال کر گئے۔

حضرتؒ کی پیدائش ۱۳۵۵ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۳۶ء دہلی میں ہوئی، بچپن میں قرآن کریم حفظ کیا، تقسیم کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کی۔ ادیب عالم کا امتحان دیا۔ مدینہ اسٹیشنری انارکلی لاہور میں اپنے والد کے ساتھ کام شروع کیا۔ ۱۹۶۷ء میں حج پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت شیخ الحدیثؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت شیخ

الحدیثؒ نے کچھ عرصہ بعد آپ کو خلافت سے سرفراز کیا۔ چوبرجی لاہور میں آپ نے خانقاہ قائم کی، وہاں پر مسجد الاحسان اور مدرسہ دارالاحسان قائم کیا، جس کو آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا انیس احمد مظاہری جنہوں نے مظاہر العلوم سہارن پور سے فراغت حاصل کی ہے، وہ چلا رہے ہیں۔ آپ کی اولاد حافظ و عالم ہے اور ان کی اولادیں بھی الحمدللہ! دین کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

آپ بیک وقت کئی کاموں کی سرپرستی فرما رہے تھے، دعوت وتبلیغ، خانقاہی خدمات، مساجد ومکاتب، مدارس کی سرپرستی کے علاوہ اشاعتِ درود شریف کا آپ کو خوب ذوق تھا، ختمِ نبوت کی کانفرنسوں میں خصوصاً لاہور اور مضافات میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔ اور ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر بھی کئی بار تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے لیے ان کو صدقۂ جاریہ بنائے، آمین

.....

حضرت مولانا قاری نسیم الدین رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے قدیم استاذ حضرت مولانا قاری نسیم الدینؒ ۱۹ شوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱ جون ۲۰۲۰ء کو انتقال فرما گئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحبؒ کی پیدائش ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے سے دو ماہ پہلے میرٹھ میں ہوئی، تقسیم کے بعد اپنے والدین کے ہمراہ کراچی میں جمشید روڈ سکونت اختیار کی، پھر پاپوش نگر کے محلّہ اورنگ آباد میں منتقل ہوئے۔ تعلیم کا آغاز مدرسہ اشاعت القرآن سے کیا۔ حفظ کی تکمیل میرے شاہ صادق آباد میں ہوئی، پھر درجۂ کتب کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا۔ کچھ درجات دوسرے مدارس میں پڑھنے کے بعد دورہ حدیث دارالعلوم کبیر والا سے کیا۔ فراغت کے بعد آپ نے قرآن کریم قراءت وتجوید پڑھانے میں گزار دی۔ ابتداءً آپ نے ۶ ماہ جامعہ فاروقیہ میں پڑھایا، پھر ۱۶ سولہ سال جمعیت تعلیم القرآن سے وابستہ رہے، ۱۹۸۶ء سے اپنی وفات تک تقریباً ۳۴ سال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ تعلیم القرآن سہراب گوٹھ میں استاذ رہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالملک العتیق نے پڑھائی۔ آپ کے پسماندگان میں ۲ بیوائیں، دس بیٹے، دو بیٹیاں موجود ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قرآنی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

.....

حضرت مولانا عبدالرؤف ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت اسلام آباد کے امیر، جمعیت علمائے اسلام اسلام آباد کے سرپرست، کئی مدارس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف ہزارویؒ ۱۴ جون کو اسلام آباد میں راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔**

حضرت مولانا عبدالرؤفؒ ۱۹۳۵ء میں بٹگرام میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے علاقہ سے کیا، پھر آپ کے ماموں آپ کو لاہور میں لائے۔ درجہ ثالثہ تک یہاں پڑھا، پھر درجہ رابعہ سے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پڑھا اور دورہ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سے ۱۹۵۶ء میں کیا۔ دورہ تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھا۔ کئی مدارس میں آپ نے تقریباً ساٹھ سال تک تدریس فرمائی۔ جامعہ مسجد حنفیہ اسلام آباد کے بانی اور خطیب تھے، یہیں سے آپ کا جنازہ اُٹھا۔ اللہ حضرت مولانا کی تمام خدماتِ حسنہ کو قبول فرمائے، اور آپ کے لیے رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین

.....

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل، جامعہ بنوریہ عالمیہ رئیس وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب ۲۰ جون ۲۰۲۰ء رات نو بجے فانی دنیا چھوڑ کر راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔**

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۸ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی اور اعلیٰ تعلیم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء میں دورہ حدیث کیا، چونکہ آپ ذہین، محنتی اور امتحانات میں اعلیٰ پوزیشن سے کامیاب ہوتے تھے، اس لیے اساتذہ کے مشورے سے ان کو جامعہ میں استاذ مقرر کیا گیا۔ آپ تقریباً ۱۶ سال جامعہ میں استاذ رہے۔ آپ کا مختصر المعانی اور مقامات کا سبق بڑا مشہور تھا، آپ کے والد صاحب جو پہلے سائٹ ایریا میں ایک مسجد کے امام تھے، وہاں انہوں نے حفظ کا مدرسہ کھولا، حضرت مفتی صاحب نے وہاں رات کے وقت درجۂ کتب کا آغاز کیا اور یہ مدرسہ چلتے چلتے بڑے درجات تک پہنچا تو آپ نے

جامعہ سے تدریس چھوڑ کر کل وقتی اپنے اس ادارہ کو وقت دینا شروع کیا اور الحمد للہ آج وہاں دورہ حدیث سمیت کئی تخصصات کے درجات اپنا کام کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب پہلے سے بیمار تھے، وفات سے پہلے آپ کے سینے میں درد ہوا، ہسپتال لے جاتے ہوئے آپ نے راستے ہی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگلے دن ۲۱ جون ۲۰۲۰ء مطابق بعد نمازِ عصر جامعہ بنوریہ کے قریب آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی، جس میں کثیر تعداد میں علماء، طلبہ، مشائخ، شہر کے معززین اور کاروباری حضرات نے شرکت کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے جنازہ کی امامت کرائی۔

آپ نے پسماندگان میں تین بیٹے، دو بیٹیاں، ایک بیوہ، پانچ بھائی، تین بہنیں سوگوار چھوڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور مفتی صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

.....

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز، ہزاروں متوسلین کے شیخ حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزارویؒ ۲۳ جون ۲۰۲۰ء کو الشفاء ہسپتال راولپنڈی میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے، **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون**۔

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰنؒ حضرت مولانا صاحبزادہ محمد ایوبؒ کے ہاں فروری ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دادا صاحبزادہ حضرت مولانا عبد المنانؒ سے تعلیم کا آغاز کیا، ان کے وصال کے بعد اپنے والد سے پڑھتے رہے۔ مختلف مدارس میں پڑھنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں دورہ حدیث دار العلوم اکوڑہ خٹک سے کیا۔ فراغت کے بعد راولپنڈی میں ایک مسجد میں امامت وخطابت کی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے آپ نے بیعت کی۔ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ میں حضرت شیخ نے آپ کو خلافت دی۔ آپ رمضان المبارک کا اعتکاف حضرت شیخ کے طرز پر کیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہٗ کی بہت زیادہ خدمت کی اور آپ کے اندر جو مجاہدانہ صفات تھیں وہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہٗ کی خدمت وصحبت کی بدولت تھیں۔ آپ نے پاکستان کی ہر تحریک میں اول دستے کا کردار ادا کیا۔ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت سے آپ کو خصوصی تعلق ولگاؤ تھا۔ آپ اپنے مریدین کو درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھنے

کی ترغیب دیتے تھے۔

آپ نے راولپنڈی میں اپنے شیخ کے نام سے دارالعلوم زکریا کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی اور آج بڑے اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ خانقاہ کربوغہ شریف کے سجادہ نشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مفتی سید مختارالدین شاہ صاحب نے پڑھائی، جس میں ایک بڑی خلقت نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی ان محنتوں، جدوجہد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے آپ کی قربانیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے، آمین۔

ان کے علاوہ بہت سے حضرات ہیں، ان کے صرف نام لکھے جاتے ہیں، تاکہ قارئین ان مرحومین کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ان کے لیے بھی ایصالِ ثواب کرتے رہیں: الحاج صوفی محمد مسکینؒ (کراچی)، مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم گلگتیؒ (مکہ مکرمہ)، مفتی خرم رئیس صاحبؒ (مدینہ مسجد، کلفٹن کراچی)، جماعتِ اسلامی کے سابق امیر سید منور حسنؒ (کراچی)، جناب حافظ عبدالرشیدؒ (کراچی)، جامعہ خیرالمدارس ملتان کے استاذِ حدیث حضرت مولانا منظور احمدؒ (ملتان)، حضرت مولانا عزیز احمد بہلویؒ (شجاع آباد)، دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کے پہلے فاضل مولانا عبدالعزیزؒ، شیخِ طریقت مولانا عبدالہادیؒ خلیفہ مجاز مولانا عبدالکریمؒ (بیر شریف)، مولانا عبدالمہیمن قریشیؒ، مولانا خواجہ محمد اسلمؒ، معروف خطیب مولانا عبیدالرحمٰن ضیاءؒ (ملتان)، جامعہ حنفیہ جہلم کے استاذ حضرت قاری عتیق الرحمٰنؒ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے تلمیذ مولانا ہارون عباس عمرؒ (جنوبی افریقہ)، جامعہ نظامیہ بہاولپور کے بانی و مہتمم حضرت مولانا شمس الدین انصاریؒ، فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا قاضی عبدالحقؒ (سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سکھر)۔ ان کے علاوہ بھی کئی حضرات نے اس دنیا سے رحلت فرمائی ہے، لیکن فی الوقت حافظہ میں ان کے نام نہیں آرہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''**إذا مات الإنسان انقطع عنه عملهٗ إلا من ثلاثة : إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله ، رواه مسلم.** '' (بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب العلم، ص:۳۲، طبع: قدیمی)

ترجمہ: ''جب انسان مرجاتا ہے تو سوائے تین اعمال کے اس کے ہر عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، سوائے صدقۂ جاریہ کے، یا علم نافع کے، یا ایسی نیک اولاد کے جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''

ہمارے اکابر اس حدیث کا صحیح اور سو فیصد مصداق ہیں، اس لیے کہ جب تک یہ اکابر اس دنیا میں رہے تو ساری زندگی تعلیم وتعلم، درس وتدریس، وعظ وتبلیغ، تقریر وتحریر اور طاعت وعبادت میں مصروف ومشغول رہے اور جب اس دنیا کو چھوڑ کر عالمِ عقبیٰ کی طرف تشریف لے گئے تو اپنے بعد اپنے شاگردوں، متوسلین اور متعلقین کے جم غفیر کے علاوہ اپنی تحریرات اور علومِ دینیہ کا اتنا ذخیرہ چھوڑ گئے، جو تا قیامت ان کے لیے صدقۂ جاریہ، اُمت کے لیے ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ، ان حضرات اکابر کی نیکیوں میں روز افزوں ترقی واضافہ اور آخرت میں رفعِ درجات کا ذریعہ بنے گا، ان شاء اللہ!

اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام علمائے کرام کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، ان کے پسماندگان، متعلقین، مسترشدین اور تلامذہ کو صبرِ جمیل کی توفیق دے اور ہم سب کو آخرت کی فکر اور تیاری کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ادارہ بینات اپنے قارئین سے ان تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

ماہنامہ بینات کراچی کی اشاعتِ خاص
بیاد: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ
شائع ہو چکی ہے
قیمت: (مجلد): 700 (غیر مجلد/کارڈ): 650
مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

قربانی واجب ہونے کی شرائط اور مالی حیثیت

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

قربانی کی کم ازکم شرائط کیا ہیں؟ اور کتنی مالی حیثیت پر قربانی واجب ہوتی ہے؟ شکریہ

مستفتی: خرم (لانڈھی، کراچی)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ قربانی ہراُس عاقل، بالغ، مقیم، مسلمان، مرداورعورت پر واجب ہے جونصاب کا مالک ہے، یااس کی ملکیت میں ضرورت سے زائد اتنا سامان ہے، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے، یعنی ساڑھے سات تولہ سونا (87.4875 گرام) یاساڑھے باون تولہ چاندی (612.4125 گرام) یااس کی قیمت کے برابررقم ہو، یارہائش کے مکان سے زائدمکانات یا جائیدادیں وغیرہ ہوں، یاضرورت سے زائدگھریلوسامان ہو، جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، یامالِ تجارت، شیئرز وغیرہ ہوں تواس پرایک حصہ قربانی کرنالازم ہے۔ (تجارتی سامان خواہ کوئی بھی چیز ہو، اگرساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہےتواس کے مالک پربھی قربانی واجب ہوگی۔)

نیزقربانی واجب ہونے کے لیے نصاب کے مال، رقم، یاضرورت سے زائدسامان پرسال گزرنا شرط نہیں ہے، اورتجارتی ہونا بھی شرط نہیں، ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ کےسورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مالک ہوجائے تواس پرقربانی واجب ہے، چنانچہ اگرقربانی کے تین دنوں میں سے آخری دن (۱۲ذی الحجہ) کوبھی کسی صورت سے نصاب کے برابر مال یاضرورت سے زائدسامان کا مالک

ہو جائے تب بھی اس پر قربانی واجب ہے۔

بنا بریں جس کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ زائد مکانات موجود ہیں، ضروری مکان کے لیے پلاٹ کے علاوہ دیگر پلاٹ ہیں، ضروری سواری کے علاوہ دوسری گاڑیاں ہیں، خواہ یہ سب تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، بہر حال ایسا شخص قربانی کے حق میں صاحبِ نصاب ہے، اور اس پر قربانی کرنا شرعاً واجب ہے۔

نیز واضح رہے کہ ایسا شخص گھر میں ایک ہو یا ایک سے زائد، درج بالا شرائط کی موجودگی کی وجہ سے اگر ایک گھر میں متعدد صاحبِ نصاب لوگ پائے جاتے ہوں تو سب پر علیحدہ علیحدہ قربانی کرنا واجب ہے، اور ایسی صورت میں از روئے شرع ایک ہی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوگی۔ ''رد المحتار'' میں ہے:

''وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب (صدقة الفطر) ..... (لاالذكورة فتجب على الأنثى). قال في الرد: (قوله: وشرائطها) أي شرائط وجوبها، ولم يذكر الحرية ..... ولا العقل والبلوغ لما فيهما من الخلاف ..... (قوله واليسار) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولو لهٗ عقار يستغلهٗ فقيل: تلزم لو قيمته نصابا ..... فمتى فضل نصاب تلزمهٗ ولو العقار وقفا، فإن واجب له في أيامها نصاب تلزم وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصابا غنى وثلاثة فلا، والمرأة موسرة بالمعجل لو الزوج مليا وبالمؤجل لا.''

(ردالمحتار، ج:۶،ص:۳۱۲۔فتاویٰ ہندیہ، ج:۵،ص:۲۹۲۔البحر، ج:۸،ص:۱۷۴)

''وفيه أيضا: أن الأضحية لها وقت مقدر كالصلوة والصوم والعبرة للوجوب في آخره من كان غنيا آخره تلزمه.'' (ردالمحتار، ج:۶،ص:۳۱۵)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''ولا يشترط أن يكون غنيا في جميع الوقت حتى لو كان فقيرا في أول الوقت ثم أيسر في آخره تجب عليه.'' (فتاویٰ ہندیہ، ج:۵،ص:۲۹۲-۲۹۳۔ بدائع، ج:۵،ص:۶۴)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد شفیق عارف	انس انور بدخشانی

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

پلازما عطیہ کرنے کا حکم

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱:..... پلازما کا عطیہ کرنا کیسا ہے؟

واضح رہے کہ پلازما انسانی خون کا ایک حصہ ہوتا ہے جو خون میں سے ریڈ سیلس اور وائٹ سیلس جدا کرنے کے بعد بچتا ہے اور اس کا رنگ زرد ہوتا ہے اور اس کو خون کی طرح جسم میں ڈالا جاتا ہے اور اس عمل کو پلازما تھیراپی کہتے ہیں اور یہ تھیراپی اس لیے کی جاتی ہے کہ جو شخص کس مرض سے شفایاب ہوا ہو اس کا پلازما لے کر اسی مرض میں مبتلا کسی دوسرے مریض میں ڈالا جاتا ہے، اس احتمال کی وجہ سے کہ شفا پانے والے مریض کے پلازما میں موجود کسی اینٹی باڈی سے وہ مرض ختم ہوا ہوگا تو ممکن ہے وہی اینٹی باڈی کسی اور مریض کو بھی اس مرض سے بچالے، البتہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ عمل ڈاکٹروں کے نزدیک بھی محض احتمال کا درجہ رکھتا ہے۔

۲:.....موجودہ صورت حال میں کورونا وائرس سے شفایاب ہونے والے شخص کا اس کا عطیہ کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس وبائی مرض کی ابھی تک کوئی دوائی دریافت نہیں کی گئی ہے اور اس تھیراپی کے ذریعہ امید ہے کہ کسی کو شفا ہو جائے، لیکن یہ محض احتمال ہے، ظن غالب نہیں ہے، کیا احتمال کی بنیاد پر پلازما ڈونیٹ کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟

پھر اس میں ایک دوسری خرابی، اس کی خرید وفروخت کی شکل میں بھی سامنے آرہی ہے جو کہ قطعاً ناجائز ہے۔ نیز فقہائے کرام نے خون عطیہ کرنے کی اجازت بھی اسی صورت میں دی ہے جبکہ واقعی ضرورت اور مجبوری ہو اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو۔

۳:.....موجودہ صورت حال میں اس کے عطیہ کرنے کی اپیل کرنا یا ترغیب دینا کیسا ہے؟

مستفتی: علی عثمانی

الجواب حامدًا ومصليًا

واضح رہے کہ جب خون سے خون کے خلیے یعنی سفید اور سرخ خلیے نکال دیئے جائیں تو جو باقی ہلکے زرد رنگ کا مائع بچتا ہے اسے طب جدید کی اصطلاح میں پلازما کہا جاتا ہے، یہ انسان کے دیگر اعضاء کی طرح مستحکم عضو نہیں ہے، بلکہ خون کی طرح انسان کا جزء ہے۔ جو مریض کرونا سے صحت یاب ہو جاتے ہیں ان کے خون میں کرونا وائرس کے خلاف دافع جسم (اینٹی باڈیز) بن جاتی ہیں، ان کے خون کے پلازما میں موجود یہ اینٹی باڈیز اگر کسی بیمار شخص کے جسم میں داخل کی جائیں تو اس کی صحت یابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، علاج کا یہ طریقہ کار نیا نہیں ہے، بلکہ طویل مدت سے مختلف قسم کے ایسے وبائی امراض کے علاج کے لیے استعمال ہو رہا ہے جن کی دوا اور ویکسین وغیرہ ایجاد نہیں ہوئی ہے۔ ویسے تو دنیا کے تمام طریقہ ہائے علاج ظن اور احتمال کے درجہ میں ہیں، اسی طرح پلازما کے ذریعہ طریقۂ علاج بھی احتمال کے درجے میں ہے جو بعض مریضوں کے علاج میں مؤثر ہے اور بعض مریضوں کے لیے نقصان دہ غیر مؤثر ثابت ہوا ہے۔ بہر حال اگر ماہر ڈاکٹر اس پر متفق ہوں اور یہ تشخیص کریں کہ یہ پلازما مریض کی صحت یابی کے لیے مدد اور معاون ہے تو ضرورت کے وقت خون کی طرح پلازما عطیہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ضرورت کے وقت مستحسن عمل ہے، البتہ اس کی خرید وفروخت شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''عن أبي جُحيفة رحمه الله أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب الأمة الخ .'' (صحیح بخاری، ج:۱۰،ص:۲۹۸)

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	تقی الدین شامزی
	الجواب صحیح	دار الافتاء
	عبد القادر	جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

حلال معیارات میں اختلاف، حقیقت، اسباب، تجاویز

مفتی یوسف عبدالرزاق صاحب۔ صفحات: ۱۵۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: شعبۂ شرعی تحقیق، سَنحا (SANHA)، پاکستان

مولانا مفتی یوسف عبد الرزاق صاحب، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ومتخصص اور ادارہ سَنحا (SANHA) پاکستان کے شعبۂ شرعی تحقیق سے وابستہ ہیں۔ اس کتاب کا نام تو انہوں نے ''حلال معیارات میں اختلاف، حقیقت، اسباب، تجاویز'' رکھا ہے، لیکن انہوں نے قرآن کریم، سنتِ نبویہ، اجماع اور قیاس کے مقام ومرتبہ، حیثیت اور ضرورت کی بھی انتہائی عمدہ اور دل نشین تشریح کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام ممالک میں حلال معیارات کے درمیان یکسانیت کی ضرورت کے جواب میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ یہ مطالبہ کرنے والوں کی نیت تو بظاہر اچھی ہے، لیکن شاید وہ اسلام کی تاریخ، شرعی قواعد اور اصول سے واقف نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ماہرینِ شریعت کو اپنے خوبصورت مطالبہ کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھ رہے ہیں، حالانکہ یہ ان کی شدید غلط فہمی ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے انہوں نے یہ کتاب تیار کی ہے۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ شرعی مسائل میں اختلاف کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کے اسباب اور اصول کیا ہیں؟ اسلامی قوانین کی تاریخ کیا ہے؟ نیز شرعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے یا زحمت؟ ان اختلافات کو مٹانا ضروری ہے یا ان کا برقرار رکھنا مطلوب ہے؟ فقہائے کرام کی جس جماعت نے یہ قوانین مرتب کیے تھے، ان کی حیثیت اور اہمیت کیا ہے؟ کیا ہم آہنگی کے لیے چودہ سو سالہ مرتب اُصولوں کو بدل سکتے ہیں؟۔

اس کتاب کو دو ابواب پر تقسیم کیا ہے: باب اول میں اسلام کے بنیادی مآخذ بیان کیے ہیں اور دوسرے باب میں حلال وحرام کے مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی آراء اور ان کے ادلہ کا تفصیلی

جائزہ لیا گیا ہے۔ بہرحال کتاب اپنے حجم میں کم ہونے کے باوجود دریا بکوزہ کا مصداق ہے، علماء کرام اور طلبۂ عظام کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے اس کتاب کا ایک بار مطالعہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مرتب، ناشر اور ان کے معاونین کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور امت کے لیے اسی کتاب کو نافع بنائے، آمین۔ کتاب کا کاغذ اعلیٰ اور طباعت عمدہ ہے۔

حق پرست علماء کی غامدی صاحب سے ناراضگی کے اسباب

حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب۔ صفحات: ۳۴۴۔ قیمت: ۳۳۰ روپے۔ ناشر: حق چار یارؓ اکیڈمی، مدرسہ حیات النبی، محلّہ حیات النبی، گجرات

حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر، امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہٗ کے داماد ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تحریر وتقریر کا عمدہ ذوق اور صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ آپ جب بھی کوئی کتاب، رسالہ یا مضمون لکھتے ہیں قاری جب تک اسے مکمل پڑھ نہیں لیتا، اس وقت تک اس کتاب، رسالہ یا مضمون کو چھوڑنے کا دل نہیں کرتا۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''حق پرست علماء کی غامدی صاحب سے ناراضگی کے اسباب'' یہ آپ کے بیانات کا مجموعہ ہے، جنہیں آپ کے فرزند عبدالرحمٰن خان انس نعمانی نے تقریر سے تحریر کی صورت میں ڈھالا ہے، اس کے حوالہ جات لگائے ہیں اور عنوانات لگا کر اس کو کتابی شکل دی ہے۔

اس کتاب میں فصلِ اول میں تحریک غامدیت کے فکری خدوخال کے علاوہ غامدی صاحب سے علمائے اسلام کے اختلاف کا بیان ہے، کل پندرہ اختلاف بیان کیے گئے ہیں۔ فصلِ دوم میں ''عمار خان ناصر غامدی کی دہلیز پر'' کے علاوہ ان کی تحریرات سے آٹھ اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ فصلِ سوم میں علامہ زاہد الراشدی صاحب سے چند اختلافات، چند سوالات اور ان سے بھی سات اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں حضرت علامہ مولانا عبدالقدوس خان قارن کا مفید مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ مدارس سے فراغت حاصل کرنے والی نئی نسل کے لیے بہت ہی ضروری ہے کہ فکری طور پر ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ آج کل کے متجدّدین اور دین سے انحراف کرنے والوں کو پہچان سکیں اور ان کے پروپیگنڈے سے بچ سکیں۔ ان کے لیے ایسی کتابوں کا پڑھنا اور ایسے متصلّب اور متدین علماء کے بیانات سننا بہت ضروری ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ حضرت مولانا، ان کے صاحبزادے اور ان کے معاونین کی یہ محنت قبول فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کے لیے اس کو نافع بنائے، آمین!

برِصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت اور اسلامی عقائد ونظریات

حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: حق چار یارؓ اکیڈمی، مدرسہ حیات النبی، محلّہ حیات النبی، گجرات

زیرِ تبصرہ کتاب مؤلف موصوف کے تین رسائل: ''۱:....عقائدِ اہل السنۃ والجماعۃ، ۲:.... برِصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت اور غیر مقلدین کی خطرناک سازش، ۳:....مسلک وخدماتِ علمائے دیوبند'' کا مجموعہ ہے۔ گویا یہ تینوں رسائل مل کر چودہ سو سالہ اسلام کی تاریخ، خاص کر برِصغیر میں اسلام کس طرح پہنچا اور اس کی اشاعت کن کن مراحل سے ہوکر گزری اور اس سے زیادہ ضروری عنوان یہ بیان کیا گیا ہے کہ علمائے دیوبند نے کس طرح دینِ متین کی حفاظت کی، اس کے لیے کس طرح قربانیاں دیں، کون لوگ رکاوٹ بنے اور اس دینِ اسلام کو کس طرح انہوں نے اپنے خون سے سینچا۔ یہ سب کچھ آپ کو اس مختصر کتاب میں مل جائے گا۔ اُمید ہے کہ مسلکِ حق سے وابستہ علماء، طلبہ اور عوام الناس اس کتاب کو ایک بار ضرور پڑھیں گے اور اپنی نوجوان نسل کی اس کے ذریعے فکری تربیت کریں گے۔ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا کو اس کتاب لکھنے پر اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

ڈھول کی آواز

حضرت مولانا مفتی کامل الدین رتوکالویؒ۔ صفحات: ۱۶۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مرکزِ اہلسنت والجماعت جامع مسجد مدنی، رتوکالا، سرگودھا

زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف حضرت مولانا مفتی کامل الدین مرحوم ہمارے اکابر علماء میں سے گزرے ہیں۔ آپ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے شاگردِ رشید اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے متوسل وخادم رہے ہیں۔ آپ کا ۱۹۷۴ء میں انتقال ہوا، آپ نے کئی ایک مفید کتابیں تحریر کیں، ان میں سے ایک یہ کتاب ہے۔

اس کتاب میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''تحذیر الناس'' پر لگائے گئے ایک غلط الزام کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ کتاب اتنا دل نشیں انداز میں لکھی گئی ہے کہ مخالف بھی پڑھے تو عش عش کر اُٹھے۔

علمائے دیوبند کے بارہ میں جو غلط باتیں اور غلط عقائد بریلوی حضرات کے علماء نے عوام الناس کے ذہنوں میں بٹھا رکھے ہیں، ایک ایک کا صحیح محمل، صحیح جواب اور صحیح تعبیر اس کتاب میں عمدہ انداز سے تحریر کی گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وقت نکال کر ان مسائل کو پڑھا اور سمجھا جائے۔

کتاب کا کاغذ بھی اعلیٰ ہے، طباعت بھی اونچے معیار کی اور جلد جاذبِ نظر ہے۔

بیعتِ مہدیؓ کے بنیادی خدوخال اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

ڈاکٹر مفتی ثناء اللہ صاحب۔ صفحات: ۱۵۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ دار العلوم الرحمانیہ، مردان

زیرِ تبصرہ کتاب میں احادیث کی روشنی میں ظہورِ امام مہدیؓ سے پہلے مسلمانوں کی اجتماعی صورت حال اور عصرِ حاضر کے تناظر میں اس کا تطبیقی مطالعہ، بیعت سے پہلے علمائے کرام کی ذمہ داریاں، بیعت سے پہلے دنیا بھر کے مسلمانوں کی کس مپرسی، امام مہدیؓ کی پہچان اور اس جیسے دوسرے موضوعات کو حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں بیان اور تحریر کیا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین عمدہ ہیں، طرزِ تحریر بھی مناسب ہے۔ کتاب کا کاغذ اور طباعت کتاب کے شایانِ شان نہیں۔

حالات سیدنا حکیم الامت عویمر ابو الدرداء رضی اللہ عنہ

مولانا شفیق احمد سلیم ملکانی۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: درج نہیں۔ طابع: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہؓ، نوشہرہ۔

مولانا شفیق احمد سلیم ملکانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تدریس کی نعمت کے ساتھ ساتھ تحریر کے لیے سیال قلم عطا فرمایا ہے۔ آپ وقتاً فوقتاً اچھے اچھے مضامین اور کتابیں منظرِ عام پر لاتے رہتے ہیں۔ یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے حالات کے بارہ میں لکھی ہے، جس میں آپ کے فضائل، مناقب، عادات، طرزِ معاشرت، مزاج، خوفِ آخرت، تقویٰ وللّٰہیت، زہد و استغناء، آپ کی نصائح، آپ کے مکتوبات، آپ کی دعائیں اور کرامات بیان کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ مہاجرین وانصار کے فضائل کو بھی اس کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

تعلیمِ قرآن کے راہنما اصول (قراءِ رحیمیہ کا ذوقِ تدریس)

حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری۔ صفحات: ۱۰۱۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: البشریٰ ویلفیئر ایجوکیشنل ٹرسٹ، کراچی

ہمارے اکابر کا لگایا ہوا پودا ''اقرأ روضۃ الاطفال'' جو آج ایک گھنا اور سایہ دار درخت بن چکا ہے، جس کی شاخیں پاکستان کے طول وعرض میں پھیل چکی ہیں، اس کے نائب مدیر اور ہمارے مخدوم ومکرم حضرت مولانا مفتی خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ نے ایک سوال نامہ تیار کیا، جس کا موضوع یہ تھا کہ ''درجہ حفظ وناظرہ کے بچوں کو کس طرح پڑھایا جائے؟'' حضرت مفتی صاحب نے یہ سوال نامہ

مختلف علمائے کرام اور تدریس سے تعلق رکھنے والے قراء کرام کی خدمت میں بھیجا، ان میں سے حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری حفظہ اللہ نے تفصیلی جواب دیا، اس کو افادۂ عام کی غرض سے اس کتاب کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔ اس کتاب میں حفظ و ناظرہ پڑھانے کا طریقہ، سبق دینے، سننے، منزل پختہ کرانے اور گردان کے طریق کار کے علاوہ انفرادی، اجتماعی، اخلاقی اور روحانی تربیت سے لے کر طلبۂ کرام کی فراغت اور اس کے بعد کی ترتیب وراہنمائی کو مفصل انداز میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ ٹائٹل عمدہ اور طباعت دو رنگی ہے، کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ امید ہے درجہ حفظ و ناظرہ کے اساتذہ اس کتاب سے ضرور راہنمائی لیں گے۔

ماہنامہ ''الفرقان'' مظفر آباد، آزاد کشمیر کا خصوصی نمبر

حضرت مولانا قاضی محمود الحسن اشرف صاحب۔ صفحات: ۸۰۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ ناشر: جامعہ دارالعلوم اسلامیہ وجامع مسجد خاتم النبیین، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، ختمِ نبوت چوک، مظفر آباد، آزاد کشمیر۔

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی ہیں، آپ پر نازل ہونے والی کتاب آخری کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آخری اُمت ہے۔ اس عقیدہ کا نام عقیدۂ ختم نبوت ہے۔ اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے اُمت نے ہر دور میں جد وجہد اور قربانیاں دی ہیں۔ اس عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے آزاد کشمیر کی حد تک جو کوششیں، کاوشیں، جدوجہد اور صبر آزما مراحل گزرے ہیں ان سب کی تفصیلات اس خاص نمبر میں موجود ہیں۔ اُمید ہے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اس خاص نمبر کا ضرور مطالعہ کریں گے۔

مقدماتِ علومِ نحویہ

مفتی روح اللہ کشمیری صاحب۔ صفحات: ۸۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: دارالافتاء جامعہ ام القریٰ، گلی باغ، ہوتی، مردان

زیرِ تبصرہ کتابچہ ''مقدماتِ علومِ نحویہ'' حضرت مولانا مفتی روح اللہ صاحب کے افادات ہیں جو انہوں نے ہدایۃ النحو کا درس دینے سے قبل متعلقاتِ نحو کا مطالعہ کر کے اپنے پاس لکھ کر محفوظ کر لیے تھے، اب ان کو ترتیب دے کر شائقینِ علمِ نحو کے لیے شائع کر دیئے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جتنے بھی افادات ہیں، سب علمی ہیں، ان کو جمع کر کے شائع بھی کرنا چاہیے، لیکن اگر کتابچہ میں مذکور سب باتیں درجہ ثانیہ کے پڑھنے والے طلبہ کو دورانِ درس پڑھائی یا بتائی جائیں تو میں سمجھتا ہوں یہ اُن کی استعداد سے بہت اونچی باتیں ہیں، اس طرح چھوٹے درجات والوں کو اتنی اونچی باتیں بتانا اور یاد کرانا یہ ان کے ساتھ ناانصافی اور ان پر ذہنی بوجھ بننے کا سبب ہے۔ بہرحال مولانا نے

مدرسین اور طلبۂ علمِ نحو کے لیے بہت مفید کام کیا ہے۔

علمِ میراث اور اس کا جدید طریقہ کار

مولانا عادل خان زید آبادی صاحب۔ صفحات: ۴۸۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ ناشر: جامعہ دارالہدیٰ زید آباد، پشاور

علمِ میراث قرآنی علوم میں سے ایک اہم ترین علم ہے۔ علمائے کرام نے ہر دور میں اس کو آسان کرنے کے لیے کتابیں تصنیف وتالیف کی ہیں۔ یہ کتابچہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو اس کے مؤلف نے علمائے کرام اور طلبۂ عظام کی سہولت کے لیے آسان سے آسان تر کرنے کے لیے کچھ اصول اور ضابطے بنائے اور بتائے ہیں، جیسا کہ کہا گیا کہ اس کتابچہ میں فنِ تقسیمِ میراث کو تین بنیادی ضابطوں کی مدد سے حل کیا گیا ہے، ان کو سمجھ لینے کے بعد عول، رد، مسئلہ بنانا، طائفہ اول اور ثانی، ذو اضعاف اقل، عاد اعظم، کسر، ضرب، اختصار، تصحیح، توافق، تداخل، تماثل، تباین وغیرہ علمِ میراث کی تمام ممکنہ اور مشکل صورتیں حل ہونے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ مفتیانِ کرام کے لیے یہ ایک سوغات ہے۔ اُمید ہے اس کی قدر افزائی کی جائے گی۔

دلائل الخیرات

تصحیح وترتیب: مفتی احسان الحق صاحب۔ صفحات: ۱۴۷۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ الحسنیٰ، کراچی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنا قربِ الٰہی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے حصول کا ذریعہ اور سعادتِ دارین کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے کہ: ''وبہٖ نالَ مَنْ نالَ'' کہ جس نے پایا، اسی درود شریف کی برکت سے پایا۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''**دلائل الخیرات وشوارق الأنوار في ذکر الصلاۃ والسلام علی النبي المختار** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حضرت شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان جزولی شاذلی کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کے مختلف صیغوں کو جمع فرمایا ہے۔

اہل اللہ کے معمولات میں ''**دلائل الخیرات**'' کے پڑھنے کا معمول صدیوں سے جاری ہے اور اس کی برکات کا انہوں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ مفتی احسان الحق صاحب نے اسی کو کچھ تصحیح کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر چھاپ کر ان برکات کے حصول کا سامان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش اور خدمت کو قبول فرمائے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....